



---

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ  
بِئْسَ تَمَهِينَ رَسُولَ اللَّهِ كِي يَرَوِي بَهْتَرَهُ (سورة الاحزاب آیت ۲۱)

# انوارِ سیرت

(سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چند مضامین کا مجموعہ)

مصنف

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدِ رضوی

### جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : انوار سیرت  
 تصنیف : ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، (مالیگاؤں)  
 کمپوزنگ : البرکات گرافک ورلڈ، مالیگاؤں  
 اشاعت : بموقع ماہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ / نومبر ۲۰۱۶ء  
 صفحات : 64  
 ناشر : ادارہ دوستی، کملاپورہ، مالیگاؤں  
 قیمت : سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر

© All rights reserved to Mushahid Razvi Malegaon

Book Name : Anwar E Seerat

Author : Dr. Mushahid Razvi

Pages : 64

Publishing year: December, 2016

Published by : Idara E Dosti , Malegaon

Price : Rs.

#### Contact:

Mushahid Razvi

Sr. No 39 Plot No 14 Naya Islampura

Malegaon 423 203 Nashik (M.S.)

E-Mail: mushahidrazvi79@gmail.com



### مشمولات

6	عرض مرتب
7	وجود رسالت مآب ﷺ
9	حضور ﷺ کائنات کے محسن آقا
11	رسول رحمت ﷺ بہ حیثیت امام اقتصادیات
13	کی محمد (ﷺ) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
17	پیغام حق جہاں کو سنایا رسول (ﷺ) نے
20	رسول رحمت ﷺ کا سیاسی تدبر
23	معلم کائنات ﷺ کا طریقہ تعلیم و تعلم
28	عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت
34	نبی کریم ﷺ کی محبت اور تعظیم
38	یوم آزادی انسانیت
40	عید میلاد النبی ﷺ عید کائنات ہے
43	سرکارِ دو عالم ﷺ کی خوش طبعی
51	عید میلاد النبی ﷺ اور علمائے عرب
64	امین آپ امانت کی آبرو بھی آپ (نعت پاک)





رفیقِ ملت حضور سید نجیب حیدر میاں قادری مارہروی  
کی نوری رنگِ شفقتوں کے

نام



## عرضِ مرتب

اللہ رحمن ورحیم کے نام سے      مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام  
رسولِ کائنات، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کو خالقِ کائنات نے نسلِ انسانی کے لیے مکمل نمونہ اور  
آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو کامیابی کا ضامن بنا کر مبعوث فرمایا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ  
لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ مِنَ الرِّسَالَةِ (سورۃ الاحزاب آیت  
۲۱) خالقِ کائنات جل جلالہ نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کوفطری طریقہ قرار دیا۔  
محسنِ انسانیت ﷺ کے معمولات زندگی ہی قیامت تک کے لیے شعار و معیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ  
سیرۃ النبی ﷺ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے یومِ ولادت سے لے کر روزِ رحلت تک کے  
ہر لمحہ کو قدرت نے لوگوں سے محفوظ کر دیا ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا کو آقا ﷺ کے  
متوالوں اور شیدائیوں نے محفوظ رکھا ہے۔ لہذا سیرۃ النبی ﷺ کی جامعیت اور اکملیت ہر قسم کے  
شک و شبہ سے محفوظ ہے دنیاۓ انسانیت کسی بھی عظیم المرتب ہستی کے حالات زندگی، معمولات زندگی،  
انداز و اطوار، مزاج و رجحان، حرکات و سکنات، نشست و برخاست اور عادات و خیالات اتنے کامل  
و مدلل طریقہ پر نہیں ہیں جس طرح کہ ایک ایک جزئیہ سیرۃ النبی ﷺ کا تحریری شکل میں دنیا کے  
سامنے ہے یہاں تک کہ آقائے کائنات ﷺ سے متعلق افراد اور آقا ﷺ سے متعلق اشیا کی  
تفصیل بھی سند کے ساتھ سیرت و تاریخ میں ہر خاص و عام کو مل جائیں گی۔

سیرتِ طیبہ ﷺ کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ ضخیم ضخیم مجلدات پر  
مشمول سیرتِ طیبہ ﷺ کے نقوشِ تابندہ ہمارے قلوب و اذہان کو روشن و منور کرتے ہیں۔ پیش نظر  
کتاب ”انوارِ سیرت“ سیرتِ طیبہ کے ضمن میں کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ سیرت نگاروں کی مختلف  
کتب و رسائل کی مدد سے لکھے گئے مبی پاک ﷺ کی سیرت کے بعض اہم گوشوں پر مختلف اوقات  
میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جسے ”انوارِ سیرت“ کے نام سے آپ کے خوانِ مطالعہ پر سجایا  
جا رہا ہے۔ امید کہ قارئین پسند فرمائیں گے۔ تقاضاے بشری کے تحت خامیاں ضرور ہوں گی۔ نشان  
دہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

محمد حسین مُشاہدِ رضوی۔

(۴ دسمبر ۲۰۱۶ء، اتوار)

اللہ رحیم و رحیم کے نام سے شروع مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

## وجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں پہلے انسان، انسان کی پوجا کرتا تھا۔ وہ بڑی ذلت و رسوائی، محکومی اور غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت نے اُسے لوٹ لیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں اور گلے میں طوق دال دیئے گئے تھے۔ پوپ، کاہن، بادشاہ، امیر، وزیر الغرض ایک انسان کو شکار کرنے کے لیے سیکڑوں شکاری موجود تھے۔ کلیسا کا "جنت فروش پادری" بھی اس صید زبوں کو شکار کرنے کے لیے ہمیشہ کاندھے پر جال لیے رہتا تھا۔ "برہمن" اس کے گلشن سے پھول توڑ لیے جاتا تھا۔ آتش کدہ کا "پروہت" اس کے خرمن کو نذر آتش کر دیتا تھا۔ غلامی نے اس کی فطرت کو ذلیل و خوار اور پست بنا دیا تھا۔ اس کی حیات کے نعمات لہو لہان ہو گئے تھے۔ زمانہ گزر گیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے حبیب روؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم امین و صادق اور رحمت عالم بن کر اس خاک دانِ گیتی پر جلوہ فرما ہوئے، اور ے

دنیا سے جہل و کفر کی تاریکیاں مٹیں

انسان کو وہ رشتہ درد آفریں ملا

مُشاہدِ رضوی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حق داروں کے حق دلائے۔ مردہ خاکستر سے شعلے پیدا کیے۔ کوہکنوں کو پرویز کا مقام عطا کیا۔ اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت نے تمام پُرانے رسم و رواج اور قدیم پیکروں کو توڑ دیا اور نوعِ انسانی کے لیے ایک نیا نظامِ زندگی، نیا حصار اور نیا قلعہ تعمیر کیا۔ انھوں نے انسان کے تن بے جان میں نئی روح پھونک دی۔ بندوں کو آقاؤں کے چنگل سے آزاد کیا۔ اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ قدم پرستوں کے لیے موت کا پیغام تھی اور آتش کدوں، شوالوں اور بت کدوں کے حق میں اعلانِ مرگ تھا۔ اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ضمیر سے انسانوں میں حریت اور آزادی کا جذبہ پیدا ہوا۔ دورِ جدید نے تہذیب و تمدن، سائنس اور ٹیکنالوجی کے صدا ہا چراغ روشن کیے حقیقت یہ ہے کہ دورِ جدید نے بھی اپنی آنکھیں اسی کی آغوش میں کھولی۔ ہمارے آقائی کو نین صلی اللہ علیہ وسلم نے صفحہ

ہستی پر ایک نیا نقشہ کھینچا ایک نیا مذہب اور اسلامی نظام قائم فرمایا اور ایسی امت پیدا کی جو دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی۔ یہ وہ امت ہے جس کا سینہ عشقِ الہی کی آگ سے روشن ہے اس کا ذرہ ذرہ آفتاب کی حریم کا شمع بنا ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات عالیہ اور روح پرور نظام کے کیف سے ساری کائنات رنگین بنی ہوئی ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ انقائم کے مطابق سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سیرت و کردار اور فضائل و شمائل میں تمام انبیا و رسل علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لہذا مخلوقات میں بعدِ خدا ہی سب سے محترم و مکرم اور بزرگ و برتر ہستی ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے صدقے میں رب تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق فرمائی ہے، ہاں! ہاں! مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی باعِثِ تکوینِ روزگار ہیں۔ آپ آئے تو ہمیں ہر چیز میسر ہوئی اگر آپ نہ آتے تو ذرا سوچے کیا ہمیں کچھ ملتا؟ نہ عید ملتی نہ عید قرباں، بل کہ ہم خدا کو بھی نہ پہچان سکتے، ارے حقیقت تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کچھ نہ پیدا کرتا۔۔۔ پھر ہم اس محسنِ انسانیت ﷺ کی ولادتِ طیبہ کا دن کیوں نہ منائیں؟؟ ضرور ضرور ہم اس محسنِ اعظم کا یومِ ولادت منائیں گے۔ اگر خردہ گیروں اور نکتہ چینوں کو یومِ ولادت کی محفل کھٹکتی ہے تو کیا ہوا؟؟ بقولِ امام احمد رضا ؒ

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا

دم میں جب تک دم ہے ذکر اُنکا سناتے جائینگے

ہمیں چاہیے کہ ہم بادِ سموم کے جھکڑ اور ہوائے مخالف کی تندی کی پروا کیے بغیر آندھی کی زد پہ شمعِ رسالت کے گرد پروانوں کی طرح طواف کرتے رہیں اور جشنِ ولادت کی بابرکت محفلوں میں چلنے والی نسیم پر بہار کے جھونکوں سے مشامِ جان و ایمان کو معطر و معبر کرتے رہیں۔ اور بہ زبانِ رضا یہ گنگناتے رہیں کہ ؒ

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا کی دھوم

مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے





## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سنات کے محسن آقا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ انسانیت ہیں انھوں نے اپنے ابدی اصولوں، سنہرے ارشادات اور روشن کردار کے باعث سسکتی بلکتی انسانیت کو قعرِ مذلت کے عمق سے بامِ اوج و عظمت تک پہنچایا۔ وہ غریبوں کے حامی، غلاموں کے مولا، اور بے کسوں کے دستگیر ہیں کہ انھوں نے زیر دستوں کو زبردستوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت و جرأت بخشی۔ حوصلہ شکن حالات اور نہایت قلیل عرصے میں انسانی مساوات کی ایسی تعلیم دی جس کی تابانی اور درخشانی کے سامنے غیر اسلامی افکار و نظام دم سادھے آنکھیں موندے پڑے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کے حامی، مظلوموں کے خبرگیر، بیواؤں کے دادرس، ناداروں کے پشت پناہ اور نہایت صادق و امین تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ روشن و منور تھا، دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت کے مداح و معترف تھے، یہ قول ناچیز مشاہدِ رضوی ہے۔  
جو قتل کرنے کے درپے تھے وہ بھی کہتے تھے  
امین آپ امانت کی آبرو بھی آپ

انسان کو حقیقی کامیابی و کامرانی کا راستہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ غاروں کی تنہائیوں کو روشن کرنے والے نے دنیا کے درو دیوار سے انسانوں کے دلوں تک کو تابندہ و درخشندہ کر دیا۔ ہم خدا کے تصور سے بے گانہ تھے ہمیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تک پہنچا دیا، ہم اپنے آپ سے ناواقف تھے ہمیں عرفانِ نفس کا شعور بخشا۔ ہم نفسِ امارہ کے دھوکے میں آگئے تھے ہمارا تزکیہ فرمایا۔ ہماری رفتار میں وقار اور گفتگو میں سنجیدگی نہ تھی ہمیں ان راہوں سے آشنا کیا۔ پہلے انسان، انسان کا محتاج تھا پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس احتیاج کے تصور کو یکسر مٹا کر رکھ دیا اور انسانوں کو صرف خدا کے در تک رسائی کی لگن لگائی۔ صاحبِ لولاک آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حریتِ فکر و نظر کی تشکیل فرمائی، مساوات و اخوت کی تاسیس فرمائی، اور تخیل و تصور کو تحتِ الشریٰ کی عمیق گہرائیوں سے افلاک تک پرواز کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے آدمیت غلامی کی زنجیروں میں مقید و محبوس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے وہ طریقہ زندگی بخشا، ایسے اُسلوبِ حیات کی تلقین فرمائی، جس میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا راز مضمر تھا۔ جس میں آزادیِ فکر و خیال کی نوید اور احساس کی عظمت تھی۔ رسولِ کائنات ﷺ نے بنی نوع انسان کی زنگ آلود صلاحیتوں کو اپنے اقوالِ زرین اور اعمالِ صالحہ سے صیقل و محلی فرمایا۔ انھوں نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا اور عالمِ ایجاد میں موجود رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا کر آدمی کو اتحاد و یک جہتی کی راہ پر چلا دیا۔ حضور ﷺ انسانیت کے محسن ہیں۔ آپ ﷺ خالقِ کائنات جل شانہ کے محبوب و ممدوح ہیں کہ قرآن مجید شروع سے ختم تک آپ ﷺ کی تعریف سے بھرا ہوا ہے، سرکارِ نظمی میاں نے کیا خوب کہا ہے۔

کیوں نہ ہم پرہیں جائیں نعتِ مصطفیٰ ہر دم

جب کہ خود کلام اللہ نعتِ جانِ رحمت ہے

سرکارِ ﷺ نہ ہوتے تو فرد کی تخلیق نہ ہوتی، معاشرہ نہ بنتا، ملک وجود میں نہ آتے، زمین و آسمان کا تصور موہوم و معدوم ہوتا، کائنات معرضِ وجود میں نہ آتی، اونٹ کی خلقت، آسمان کی رفعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، پہاڑ کیسے نصب ہوتے؟ اور زمین کس طرح مسطوح ہوتی؟، خدا کا نام لیوا کون ہوتا؟، اس کی تسبیح و تحمید کون کرتا؟، یہ سب کچھ تو سرکارِ ﷺ کی پیدائش کے سبب سے ہے کہ آپ ﷺ باعثِ نکوینِ روزگار ہیں، بہ قولِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

سرورِ کائنات ﷺ نہ ہوتے تو رب کریم جل شانہ اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا۔ کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ حقیقت میں مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کائنات کے محسن آقا ہیں۔ ان کے ارشاداتِ عالیہ، ان کے اقوالِ زرین، اور سنتوں پر عمل کرنا ہمارے لیے نجاتِ اخروی کا سبب ہے اور ان کا عشق کاروانِ حیات کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے، بہ قولِ سرکارِ نظمی میاں مارہروی۔

عشقِ مصطفیٰ میں ہے عشقِ کبریا پنہاں

احمد و احد میں بس میم کی مسافت ہے



## رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت امام اقتصادیات

مادی زندگی میں معیشت و اقتصادیات کے مسائل نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ انسانوں نے مختلف ادوار میں اپنی فہم و فراست کے مطابق مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی مگر وہ الجھ کر رہ گئے۔ محکوموں نے خواب سے بیدار ہونے کی کوشش کی تو پھر انھیں حکمرانوں کی ساحری نے سلا دیا۔ اور غلام داری کی بجائے جاگیر داری کا دور آیا۔ پھر صنعت کاری یا سرمایہ داری کا عہد اپنی شان و شوکت کے ڈنکے بجاتا آیا۔ اور یہ بلند بانگ دعوے کیے گئے کہ معاشی و اقتصادی مسائل حل ہو جائیں گے۔ مگر وہاں بھی مسائل سلجھنے کی بجائے الجھتے چلے گئے۔ اور پھر اشتراکیت اپنی زبردست صنایعوں کے خول میں ریزہ کاری کرتی ہوئی طلوع ہوئی۔

مگر تاریخ شاہد ہے کہ اب تک انسانیت ظلم کی قہرمانی چٹلی میں پس رہی ہے۔ اور ایک دفعہ پھر رہنمائی کے لیے ادھر ادھر دیکھ رہی ہے۔ لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ ان کا اور ان جیسے مسائل کا حل عقل کی روشنی میں سوچنا ممکن ہی نہیں۔ زندگی کے مسائل کا حل تو خالق کائنات جل شانہ کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس نے صدیوں پیش تر ریگ زا عرب کے ایک اُمی کی زبانِ صداقت ترجمان سے یہ مسائل حل کروادیئے تھے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی ایک زبردست منارہ نور کی حیثیت سے ہماری رہنمائی فرما رہے ہیں۔ انھوں نے ایک طرف تو لوگوں کی نگاہیں دنیاوی دولت سے ہٹا کر اُخروی دولت کی طرف لگادی۔ اور دنیا والوں کو بتادیا کہ اصل کامرانی آخرت کی کامرانی ہے۔ اس لیے دنیا سے محبت محض نقصان کی باعث ہے۔

انھوں نے فرمایا کہ دولت مندوں کے پاس جو مال ہے۔ یہ سب اللہ کا ہے وہ خود بھی اللہ کے بندے ہیں۔ اس طرح ان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ امین کے طور پر اس مال کو اپنے پاس رکھیں، اور اسلامی حکومت کو جتنے مال کی ضرورت ہو خزانوں کے دروازے کھول دیں۔ اس کی بہترین مثال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات ہے۔ اسلامی حکومت کو جب بھی ضرورت ہوئی انھوں نے اپنا اثاثہ حاضر کر دیا۔ ادھر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ غریب محض سوا لی بن کر اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہ کر بیٹھیں بلکہ اپنی تمام تر قابلیتوں کو بروئے کار لائیں۔ محنت کر کے اپنا رزق

پیدا کریں۔ پھر دولت مندوں پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ اپنی دولت تعیشات پر خرچ نہیں کر سکتے بل کہ اسے زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے مستحق عوام میں لٹاتے رہیں۔ تاکہ زر گردش میں رہے اور دولت صرف چند دولت مند مراکز ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند ہی سالوں میں اسلام کی برکات سے پوری سلطنتِ اسلامیہ میں کوئی بھوکا نہ رہا۔ لوگ اپنی زکوٰۃ لیے پھرتے رہے کہ کوئی مستحق مل جائے لیکن کوئی بھی زکوٰۃ لینے والا نہ ملا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں دولت کی زبردست ریل پیل دیکھ کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مضطرب ہو گئے تھے اور فتویٰ دیا تھا کہ: "دولت جمع کرنا حرام ہے۔" تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی یہ آواز اس وقت پسند عام نہ ہو سکی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ زکوٰۃ کا قانون پورے نظام کے ساتھ جاری و ساری تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور نبی رحمت ﷺ کی وضع فرمودہ معیشت کے زیر سایہ ایسا خوش حال تھا کہ ہر کوئی آسودہ حال اور فارغ البال تھا، کوئی بھوکا پیاسا نہ تھا اور جو تھے تو ان کے لیے بیت المال سے کھانا پینا مقرر تھا۔

یہ اسلامی نظامِ اقتصادیات ہی کی برکت تھی کہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ماضی میں کبھی چھ روز بھوکے رہتے تھے آج وہی کتان کے کپڑے سے ناک صاف کیا کرتے تھے، بحرین کے گورنر کا منصب انھیں حاصل تھا۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا معاملہ بھی تھا وہ خود فرماتے ہیں کہ: "ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار درہم میری سالانہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور کی حالت مہاجر بن زید کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ: "ہم لوگ صدقہ تقسیم کرتے تھے ایک سال کے بعد دوسرے سال وہ لوگ جو پہلے صدقہ لیتے تھے خود دوسروں کو صدقہ دینے لگتے تھے۔

اشتراکیت ذاتی جائداد کی بالکل نفی کر دیتی ہے۔ سرمایہ داری ملکیت پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط، ان میں اعتدال کی راہ وہی ہے جو انسانِ کامل مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے پیش کی تھی اور جس کی برکات سے دنیا ایک دفعہ پہلے بھی سرفراز ہو چکی ہے۔ ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اگر صحیح رہنمائی مطلوب ہے اور ٹھوکریں کھانا مقصود نہیں تو اس منارۂ نور کی طرف لوٹنا ہوگا جو سلسلہ تخلیق و ارتقا کی اولین نمود اور بزمِ آخریں کا اجالا ہیں۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است      رحمۃ للعالمینی انتہا است

## کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وفاتوں نے تو ہم تیرے ہیں (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تقریر)

صدر باوقار رونق اسٹیج مہمانانِ کرام اور باذوق سامعین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میری تقریر کا عنوان ہے ”کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وفاتوں نے تو ہم تیرے ہیں“ آئیے سب سے پہلے ہم اپنی وفا شعاری اور عقیدت و سرمستی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے انتہائی احترام و عقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ترین بارگاہ میں کہ جن پر جن فرشتے اور خود خدائے وحدہ لا شریک بھی درود و سلام بھیجتا ہے، ہم بھی اس بابرکت وصف سے متصف ہونے کے لیے درود پاک کا نذرانہ پیش کریں..... اللہم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم صلاۃ و سلاماً علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.....

سامعین محترم! خدائے وحدہ لا شریک قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ° اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور کہیں ارشاد فرماتا ہے استجبوا للہ ولسول اذا دعاکم ° ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول جب بلائیں فوراً دوڑ پڑو۔ اور اسی طرح جگہ جگہ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! میرے رسول کی اطاعت اور اس کی محبت والفت ہی دراصل ایمان ہے بلکہ ایمان کی جان ہے۔ گویا محبت و اطاعتِ رسول ہی اصل ایمان ہے اور جس کے دل میں یہ جذبہ والہانہ نہیں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نغمہ سنج ہیں کہ ے

جانِ ایمان ہے محبت تری جانِ جاناں

جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلمان ہوگا

کسی مفکر کا قول ہی کہ ”اگر تم کسی قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہو تو اسکی تاریخ کو ملیا میٹ کر دو وہ قوم خود بخود نیست و نابود ہو جائے گی“۔ کیونکہ تاریخ کسی بھی قوم کا ماضی ہوتی ہے۔ گزرا ہوا کل تاریخ

کہلاتا ہے اور آج گزرے ہوئے کل کی بنیاد پر ہے اور آنے والے کل کی بنیاد آج پر رکھی جائے گی۔ ہم آج وفا کی تلاش میں نکلے ہیں ہمارا کارواں آج جفاوں کی منزل سے دور وفا شعاروں کی آماجگاہ کا متمنی ہے یہ کتنی بڑی ستم ظریفی کی بات ہے کہ ہم آج وفا تلاش کر رہے ہیں تو ہیرا نگھا، لیلیٰ، مجنوں اور شیریں فرہاد میں..... جبکہ ہم کو لفظ وفا کی تفسیر صحابہ کرام کی روشن و تابندہ زندگیوں میں دیکھنی چاہیے۔ جو اسلامی تاریخ کا ایسا درخشندہ و تابندہ باب ہے جسکی مثال کسی اور مذہب کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر و مجبور ہے۔

حاضرین کرام! پرچم اسلام کیوں کر سر بلند ہوا؟ ہماری عزت و حشمت کو کیوں چار چاند لگ گیا؟ ہمارا کارواں نیل کے ساحل سے لیکر کاشغر کی خاک تک کیوں کامیابی و سرفرازی کے جھنڈے گاڑتا ہوا بڑھتا ہی رہا؟ ہماری شان و شوکت کیوں نقطہ عروج تک پہنچ گئی؟ کیا سبب تھا ان عظمتوں اور رفعتوں کا؟ کیا وجہ تھی ان سر بلندیوں اور کامیابیوں کی؟ صرف ایک سبب تھا صرف ایک وجہ تھی..... اور وہ تھی..... صحابہ کرام کی رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بے پناہ محبت و الفت اور انکی بارگاہ کے تین کامل وفا شعاری.....

وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پامردی اور استقلال تھا، جو صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر رنگی پیڑھے اور سینے پر پتھر رکھے ہوئے مجسم زبان سے اشہد ان محمد الرسول اللہ کی گردان جاری رکھے ہوئے تھے..... وہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا شبابِ وفا ہی تھا، جو جلتے ہوئے انگاروں پر محمد الرسول اللہ کا ورد جاری رکھے ہوئے تھا..... البینہ (رضی اللہ عنہا) نامی لونڈی کا وہ عشق صادق ہی تھا، جو اپنے آقا کے منت نئے مظالم کے بعد بھی مزید شدت اختیار کرتا جا رہا تھا..... وہ رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک فرمائش پر حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا گھر کا سارا سامان لے آنا..... وہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ سرکار نہ ماننے والے کاتلوار سے فیصلہ فرمانا..... وہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا رسیوں سے باندھ کر مارا جانا، پھر بھی محبتِ رسول میں سرشار رہنا..... وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا درخیز اُکھاڑ پھینکنا..... یہ تھا ان کا عشق صادق..... اور یہ تھی انکی وفا کی تصویر..... جس کی وجہ سے اسلام سر بلند ہوا..... اسلامی حکومت کی توسیع ہوئی..... تین سو تیرہ بے سروسامان سرفروشانِ اسلام کافروں کے جملہ اسلحوں سے لیس لشکرِ جرّار کو شکستِ فاش دی تھی..... اور کون کون سے واقعات کی یاد تازہ کروں؟

وفا کی کی اس عظیم تصویر سے آپ کا تعارف نہ کرواؤں؟..... وہ جاں باز جیالا اور بہادر، جری محب رسول (ﷺ) سرفروغ مجاہد جس کی آج شادی ہوئی ہے وہ شبِ وصال اور جملہ عروسی کوٹھوکر مار کر رسولِ عربی (ﷺ) کی ایک آواز پر لیک کہہ کر جنگِ اُحد میں کود پڑا اور شہادت کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز ہو گیا جس کا غسل ملائکہ نے دیا۔ کیا اُس جاں باز صحابی کا نام لے کر میں مزید شرمندہ کروں؟ اُنکی عظمت، اُنکا مرتبہ، اُنکا دبدبہ شان و شوکت، اُنکا جاہ و جلال مرہونِ منت تھا وفاے مصطفویٰ کا..... اور آج؟..... ہم ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہیں کیوں؟..... کیوں کہ

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر  
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

ہم میں وہ صدیق سی صداقت نہیں، عمر سا استقلال نہیں، عثمان سی سخاوت نہیں، علی سی شجاعت نہیں، بلال سے مؤذن نہیں، سعدی جرأت نہیں، زبیر سا ایثار، خالد سی سپہ سالاری اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ساعشقِ رسول اور وفاے پیغمبری نہ رہی۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر خدا کا فیصلہ سامنے آتا ہے اور وہ خدا جو جھوٹا نہیں ہے، صاف صاف اعلان فرماتا ہے ”تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو“..... تو کیا جذبہ ایمانی کی روح، عشقِ رسول (ﷺ)، اطاعتِ نبوی اور وفاے مصطفویٰ نہیں ہے، وہ قلت میں..... بے سروسامانی میں..... غربت و فاقہ کشی میں بھی دشمنانِ اسلام کے لیے شمشیر بے نیام تھے، مگر آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی حالتِ زار اظہر من الشمس ہے..... قومی سطح پر مسلمان ذلیل و خوار ہیں، تعصب و تنگ نظری کا شکار ہیں، اُنکا مذہب، اُنکی زبان، اُنکا تمدن، اُنکی معیشت، اُنکی عزت، اُنکی عصمت اور اُنکی عفت کو تاراج کیا جا رہا ہے..... تو بین الاقوامی سطح پر بیت المقدس چھن چکا ہے، دشمنانِ اسلام نعوذ باللہ اب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تاک میں ہیں، ایتھوپیا، کمبوڈیا، کمپوچیا سامراج کے پنجہ استبداد میں تلملارہے ہیں، فلسطین، لبنان، اردن، مصر اور شام اسرائیل سے لرزہ بر اندام ہیں۔ عراق، افغانستان امریکی اور برطانوی فوج سے لہو لہان ہے، جنوبی افریقہ بین الاقوامی سیاست کا شکار ہے، براعظم افریقہ کے بیشتر مسلم ممالک عظیم قحط کی صورت میں قہرِ خداوندی کے ہدف ہیں۔ جبکہ اکثر مسلم ممالک خانہ جنگی کے دہانے پر ہیں.....

آج قومِ مسلم سائنس، ٹیکنالوجی، تعلیم، ترقی، سیاست، معیشت گویا ہر چیز میں پیچھے ہے مگر غربت جہالت اور اخلاقی گراؤ میں سرفہرست ہے۔ چند ممالک اگر پٹرول کی دولت سے مالا مال ہیں تو

وہاں شیوخِ تفریحاً عیاشیوں کے عادی ہیں، مسلم قوم تباہ ہوتی ہو تو ہو، مہاجرین بے گھر سڑتے ہوں تو سڑتے رہیں، افغانستان و عراق کے پناہ گزین کیمپ میں پڑے رہیں، سری لنکا اور جنوبی افریقہ کے مسلمان علاقائی سیاست اور لسانی تعصب کے شکار ہوتے رہیں تو ہوتے رہیں، قبلہ اول اور فلسطین کے مظلوم مسلمان سسک سسک کر آواز دیتے رہیں لیکن ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ ے

رہمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

لیکن ہم کسی کو الزام کیوں دیں؟ جنگِ بدر میں ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں ہی سے تین سو تیرہ سر بکف مجاہدینِ اسلام نے دشمنانِ اسلام کے لشکرِ جزا کو ہزیمت دی اور اسلام کو سر بلند کیا، اس دنیا میں، اس ملک میں، اس شہر میں یا اس پنڈال میں ہیں ایسے تین سو تیرہ مجاہد؟..... اگر ہیں..... تو آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کے لیے بے قرار ہے مگر شرط یہ ہے کہ ے

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خدا حافظ!

☆☆☆



## پیغامِ حق جہاں کو سنایا رسول (ﷺ) نے

اس خاکدانِ گیتی پر بسنے والے انسانوں میں کون سی برائی موجود نہ تھی، عرب کی حالت تو اس درجہ خراب ہو چکی تھی کہ شراب پانی کی طرح استعمال ہو رہی تھی۔ قمار بازی شب و روز کی تفریح تصور کی جاتی تھی۔ کبر و نخوت اور غرور و تکبر سے سراونچا رکھنے والے انسان لڑکیوں کو زندہ درگور کر کے اپنی بہیمانہ عادتوں کا مظاہرہ کرتے تھے اور فخر و مباہات سے اپنا سراٹھایا بھی کرتے تھے۔ کوئی بھی ان درندہ صفت اور بہائم نما انسانوں کا حکمراں ایسا نہ تھا جو ان کے قاتلانہ اقدامات پر ان کی سرکوبی کرتا یا سزائے موت مقرر کرتا۔ معاملہ تو یہ تھا کہ حاکم و محکوم دونوں ہی ان برائیوں میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ عرب کے لوگ ہر طرح کی بُرائیوں اور مذموم و ناشائستہ حرکتوں کو روا سمجھتے تھے۔ ظلم و عدوان، بغاوت و سرکشی، بے رحمی و سنگ دلی، شقاوت و بربریت، افعالِ رذیلہ کا ارتکاب، نسلی و نسلِ تفرخ و عصبیت، اپنے مقابل دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھنا، معمولی معمولی باتوں پر فتنہ و فساد برپا کرنا، پھر قبیلوں کی باہمی جنگ صدیوں تک جاری رکھنا ان کی فطرتِ ثانیہ میں داخل تھا۔ غرض درندہ خُو بہائم صفت انسانوں کا ایک ریوڑ تھا جو اخلاق و اخلاص، تہذیب و تمدن تو درکنار ان کے نام سے بھی نا آشنا تھے۔ خیابانِ ہستی اجڑا پڑا تھا۔ خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلوں کی نکبت افشانیوں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک بھی گلِ دستہ طاقِ نسیاں بن چکی تھیں۔ روشیں ویران تھیں اور آبِ جوئیں خشک، جہاں کبھی سبزہ نُو دمیدہ جنت نگاہ ہوا کرتا تھا وہاں خاک اُڑ رہی تھی، یاس و قنوط کی ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے "پیغامِ حق جہاں کو سنایا رسول (ﷺ) نے"

قارئینِ کرام!! فاران کی چوٹیوں سے وحدت کی وہ گھنگور گھٹا اُٹھی جس کا ہر قطرہ بہارِ آفریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوسِ بداماں تھا۔ یہ گھٹا برسی اور خوب دل کھول کر برسی یہاں تک کہ گلِ زارِ عالم میں پھر آثارِ حیات نمودار ہونے لگے۔ انسانیت کے پڑمردہ چہرے پر شباب و قوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ خودداری و عزتِ نفس اور شجاعت و ایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نُو خلعتِ برگ و بار عطا ہوئی۔ مُمریوں نے عفتِ قلب و نظر کا نغمہ چھیڑا، توہمات و عقائدِ باطلہ کے قفسِ

کی تیلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں اور ہمارے بشریت کو توحید اور پیغام حق کی مقدس و مطہر رفعتوں سے پھر دعوت پر داز آنے لگی کہ ۔

کیسا انسان و ہ پیدا ہوا انسانوں میں  
خون توحید کا دوڑا دیا شریانوں میں  
گونجا فاران سے جب نعرۃ اللہ احد  
کھلبلی مچ گئی دنیا کے صنم خانوں میں

اور ۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا  
خاک کے ذروں کو ہم دوشِ ثریا کر دیا  
اتر کر حرا سے سوے قوم آیا  
وہ اک نسخہ کیسیا ساتھ اپنے لایا

جب کائنات ارضی پر بسنے والے انسانوں کو جو تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے، رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام حق سنایا تو جانتے ہو کیا ہوا؟ کفر و شرک کی ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ جہالت و حماقت کا اندھیرا چھٹ گیا۔ درندگیت و بہمیت یکسر نیست و نابود ہو گئیں۔ ظلم و تعدی اور کبر و نخوت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں اور ظلمتوں کو ویران گوشوں اور عمیق غاروں کی اندھیروں کے سوا کہیں پناہ نہ ملی۔ ان عادی مجرموں کے عشرت کدوں میں صفِ ماتم بچھ گئی جو رات کے گھپ اندھیروں میں قمار بازی کا بازار گرم رکھا کرتے تھے اور جو صدیوں سے لڑ رہے تھے، وہ متحد و متفق ہو کر رشتہ اخوت میں منسلک ہو گئے۔ بہائم صفت اور درندہ خوان انسانوں کی وہ فطرت جس پر صدیوں سے جہالت مسلط تھی اور بغض و کدورت کی وحشیانہ ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ اُن پر عدل و انصاف، محبت و اخوت اور ایمان و صداقت کا بسیرا ہو گیا۔ خالقِ مطلق جل شانہ کی جانب سے مبعوث فرمودہ ہادیِ برحق، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی منور و درخشاں کرنوں اور فروزاں فروزاں سیرت و کردار کی روشنی میں لوگ رُشد و فلاح کی راہ ڈھونڈنے لگے، وحشی و ظالم انسان نہ صرف تہذیب و اخلاق کا پیکرِ کامل بن گئے بل کہ تمام کائنات کے لیے معلمِ اخلاق بھی بن گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سنائے گئے پیغام حق نے ان کے اندر عظیم الشان

تغیر پیدا کر دیا اور وہ حیوانیت کے ریوڑ سے نکل کر انسانیت کی منور و معطر شاہ راہ پر گامزن ہو گئے۔ پیغامِ حق نے انھیں اخلاق کی وہ تلوار عطا کر دی جسے لے کر وہ جس میدان میں نکلے اسے فتح کر لیا۔ انھوں نے تمام اقوام و ملل کے قلوب و اذہان مسخر کر لیے۔ اور حال یہ ہو گیا کہ انھوں نے خداوندِ قدوس کی رضا و خوش نودی حاصل کرنے کے لیے نفسیاتی خواہشات کو کچل کر رکھ دیا اور اپنی جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے لگے۔ اور روز افزوں بڑھتے رہے پھلتے پھولتے رہے اور ایسا ہوا کہ "رکتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا۔"

یہ ہمہ گیر، آفاقی، متنوع اور ہمہ جہت انقلابی تغیرات کیوں اور کیسے ہوئے محض مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی سادگی، اخلاقی حسنہ، پیغامِ حق اور پاکیزہ تعلیمات کی وجہ سے ہوئے آپ نے اس انداز سے انسانوں کو انسانیت کا درس دیا کہ لوگ پکاراٹھے کہ ے

طیبہ کے تاجدار نے دی زندگی نئی  
وہ آئے اور پھیل گئی روشنی نئی  
قرآن میں حیات کا وہ فلسفہ دیا  
جس کے سبب جہاں کو ملی زندگی نئی  
ہم کو دیا نبی نے مساوات کا سبق  
انسان کے شعور کو دی زندگی نئی  
اخلاق اور صدق کا جذبہ عطا کیا  
بخشنا اصولِ امن نیا آشتی نئی  
خُلُقِ نبی سے ہم کو ملا درسِ نظم و ضبط  
انسان دوستی کی ملی چاشنی نئی  
کردارِ مصطفیٰ نے سکھایا ہمیں یہی  
اوروں کے کام آؤ ملے گی خوشی نئی

☆☆☆

## رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی تدبیر

اسلام نظامِ محکم ہے ہر دور کی خاطر عام بھی ہے  
اس قصرِ مُشید میں آؤ یہ عام بھی ہے اور تام بھی ہے  
آزاد روی میں فکر و غم افسوس ہے لیکن کچھ بھی نہیں  
پابندی حق میں تلخی ہے تکلیف بھی آرام بھی ہے

بدر القادری مصباحی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاکدانِ گیتی پر جلوہ فرما ہو کر سسکتی بلکتی انسانیت کو اطمینان و سکون کی دولت نصیب فرمائی۔ کوہِ کنوں کو پرویز کا مقام دیا۔ زیرِ دستوں کو زبردستوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی قوت و توانائی بخشی۔ اونٹوں کے چرواہوں کو اقوام و ملل کا امام بنادیا۔ بالکل قلیل عرصے میں طویل خطہٴ ارضی کو اسلام کے زیرِ اثر کر لیا اور دنیا کے بیش تر ممالک میں اسلام کا پرچم پوری آب و تاب اور شان و شوکت سے لہرانے لگا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اسلام کی عسکری قوت اور شمشیر و سناں کے زور پر ہوا۔ نہیں نہیں! بل کہ یہ تو درحقیقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین اخلاق و کردار کے ساتھ ساتھ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی حکمت و تدبیر کا ثمرہ تھا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایسی واضح مثالیں موجود ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال درجہ سیاسی تدبیر و ذکاوت پر دلالت کرتی ہیں اور جن کی روشنی میں بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ کس قدر دانش مندی اور دور اندیشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزمرہ میں وقوع پذیر ہونے والے مسائل کو حل فرما دیا کرتے تھے۔ اختلافِ آرا کو دور فرما دیتے تھے معاہدے کرتے اور نبھاتے بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ کی اور دانائی کا یہ نتیجہ تھا کہ ظاہری و باطنی مصلحتیں حاصل ہو جاتی تھیں اور جس کے سبب نفع و فائدہ مل جاتا، بُرائی دور ہو جاتی، ذرائع کا بندوبست ہو جاتا اور ہر کام اپنی اپنی جگہ پر مناسب انداز سے انجام پاتا۔ دنیاوی معاملات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامیابی عطا ہوتی تھی کہ جو پہلے کسی کو نہیں ملی۔ اور یہ کامیابی ایسی بے نظیر تھی کہ امورِ دنیا کے انجام دینے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت گزاری، زہد و

تقویٰ اور نیکی میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آقائے کائنات ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں ہمارے لیے عظیم رہنمائی موجود ہے، جو انھوں نے قولاً نہیں بل کہ عملاً ہمیں کر کے دکھائی، اور ایسے واضح اور رہنما اصول ہدایت دے گئے جن کو اپنانا حکامِ زمانہ اور اربابانِ سیاست کے لیے از بس ضروری ہے۔

جب آقائے کائنات ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کو انتہائی پیچیدہ صورتِ حال کا سامنا تھا۔ مگر آپ نے بہ کمالِ حکمت و دانشِ حسن تدبیر سے موقعِ محل کو سمجھا اور پوری صورتِ حال کو بہتر طور پر قابو میں کر لیا۔ بلاشبہ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ترین سیاسی حکمت و تدبیر کی بین دلیل ہے یہ آپ ﷺ کی راست سیاست کا نتیجہ تھا کہ جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں لوگوں میں ان کے اختلافِ عقائد کے سبب عدمِ محبت و اُنس کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اپنے نظام میں ایسے قوانین کا اجرا فرمایا جن کے تحت لوگوں کے حقوق کا تحفظ، عقیدے کی آزادی، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا مقصد حاصل ہو جاتا تھا۔

یہ سرورِ کائنات ﷺ کی سیاسی بصیرت و حکمت ہی تھی کہ مدینہ منورہ کی تمام قوتیں یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کے قدمِ ناز میں آگئیں۔ آپ نے جتنے بھی معاہدات کیے ہر ایک میں آپ کو مکمل کامیابی و کامرانی ہوئی کیوں کہ معاہدے کا تقاضہ ہی یہی ہوتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہو۔ یہی وہ وقت تھا جب اسلامی حکومت کی بنیاد کا پتھر رکھ دیا گیا۔ حضورِ رحمتِ عالم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا ایک ایمان افروز واقعہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر ایک دن پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کچھ تکرار ہو گئی مہاجر نے بلند آواز سے کہا: "یا لمہاجرین" (اے مہاجر! فریاد ہے) اور انصاری نے کہا: "یا لہ انصار" (اے انصار! فریاد ہے) کا نعرہ مارا یہ نعرہ سنتے ہی انصار و مہاجر دوڑ پڑے اور اس قدر بات بڑھ گئی کہ آپس میں جنگ و جدل کی نوبت آگئی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کوثر اُتار کا ایک موقع مل گیا اس نے اشتعال دلانے کے لیے انصاریوں سے کہا کہ: "یہ تو وہی مثل ہوئی کہ تم اپنے کتے کو فربہ کرو تا کہ وہ تمہیں کھا ڈالے۔" جب عبداللہ بن ابی منافق کی یہ بے ہودہ باتیں حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پڑی تو آپ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ ابن ابی قحفلہ کو قتل کر دے۔" مگر اس کے جواب میں حکیم دانا، رحمتِ عالم ﷺ نے حکمت و تدبیر سے فرمایا کہ: "اے عمر! یہ بات کیسی ہوگی کہ لوگ

کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، ابن ابی جنتا اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس سے کہیں زیادہ اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبد اللہ تھا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق و شیدائی اور جاں نثار صحابی تھے۔ جب انھیں اپنے باپ کی بکواس کی خبر لگی تو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر عرض کی کہ: "یا رسول اللہ! اگر میرے باپ کا قتل کرنا آپ کو پسند ہے تو آپ مجھے حکم دیں کہ میں خود ہی اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔" رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "نہیں اے عبد اللہ! بل کہ اپنے والد کے ساتھ نرمی کرو، میں کبھی تمہارے باپ کے ساتھ برا سلوک نہیں کروں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سیاسی تدبیر اور حکمتِ عملی کا اس قدر دور رس اثر پڑا کہ بعد میں جب کبھی ابن ابی کوئی شرارت کرتا تو لوگ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اُسے یاد دلادیتے۔

اسی طرح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بالغ نظری کا بڑا ثبوت صلح حدیبیہ کی شرائط بھی ہیں جو بہ ظاہر مسلمانوں کو ذلت آمیز دکھائی دیں، مگر کچھ عرصہ گزرا تو مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کس قدر بالغ اور تیز تھی کہ مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے نتائج نے تسلی و تشفی کرا دی۔ صلح حدیبیہ کا نتیجہ یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کے کمزور نہتے مسلمانوں کا تحفظ ہو گیا۔ کفار کے مسلمانوں سے ملنے جلنے، ان کے مدینہ منورہ آنے جانے، اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سننے کا عظیم ترین فائدہ یہ بھی ہوا کہ وہ مسلمان ہونے لگے جن باتوں کو مسلمانوں نے ذلت سمجھا وہ ان کے لیے عزت و وقار، قوت و طاقت اور باعثِ نصرت بنیں، اور اللہ رب العزت جل شانہ نے مشرکین کو ہر اُس کام میں ذلیل و رسوا کیا جس سے وہ عزت و قوت کے خواہاں تھے اور جہاں انھوں نے غلبہ پایا وہاں مغلوب ہوئے۔ یہ سب سرورِ کائنات دانا کے حکمتِ عملی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی حکمت و تدبیر کا نتیجہ تھا۔

آج ساری دنیا میں گندی سیاست کا دور دورہ ہے اس کی لپیٹ میں وہ ممالک بھی ہیں جنہیں اپنے اسلامی ملک ہونے کا دعویٰ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے اربابانِ سیاست اور حکامِ زمانہ سرورِ کائنات، حکیم دانا، ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین وزیرینِ اصولِ سیاست کو اپنا کرا آگے بڑھیں اور اپنا فاسد اور فرسودہ طریقہ سیاست ختم کریں کہ اس میں دنیوی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ اخروی نجات کا راز بھی پوشیدہ ہے۔



## معلم کائنات ﷺ کا طریقہ تعلیم و تعلم

علم نور ہے۔ جہالت تاریکی ہے۔ علم اجالا ہے۔ جہالت اندھیرا ہے۔ علم سے اخلاق سنورتے ہیں۔ علم سے زنگ آلود قلوب طاہر تپاتے ہیں۔ علم سے پراگندہ اذہان کو پاکیزگی ملتی ہے۔ علم سے شعور ملتا ہے۔ علم سے طرز زندگی ملتا ہے۔ علم سے سلیقہ حیات کی تحصیل ہوتی ہے۔ اسلام میں علم کی بہت اہمیت ہے۔ پہلی وحی قرآنی کا نور بھی علم کی تلقین فرماتا ہوا تشریف لایا۔ اقرء۔۔۔ الخ، قرآن مبین میں جگہ جگہ تعلیم کے حصول کی ترغیب دی گئی ہے۔ احادیث طیبہ میں جاہ عالم کی فضیلت اور تحصیل علم کے احکامات وارد ہوئے ہیں۔

کائنات کے معلم اعظم، رحمۃ للعالمین، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے علم و دانائی اور متاعِ ہوش و خرد سے عاری عرب کے بادیہ نشینوں اور اونٹوں اور بکریوں کے چرواہوں کی اس احسن طرز سے تعلیم و تربیت فرمائی کہ آج تک ان فہیم و ذکی زور زیرک و دانا اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی طرح ذہانت و فطانت میں اپنی مثال آپ افراد کی جماعت دنیا کی نگاہوں نے نہ دیکھا۔ آج سارے عالم میں جس قدر بھی نئی ترقیات و ایجادات، اکتشافات اور دریافتیں ہوئی ہیں ان تمام کی خشتِ اول قرآن مبین کی درخشاں و تاباں تعلیمات کے یہی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے متعلمین اور طالبین ہیں۔ ایک آن میں لاعلمی اور جہالت کے عمیق غاروں اور وادیوں میں سرگرداں اور بھٹکنے والے افراد کس طرح قوموں کے امام واجب الاحترام بن گئے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ درحقیقت کائنات کے معلم اعظم ﷺ بذاتِ خود ان حضرات کی تعلیم و تربیت فرمائی تھی۔ تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کے ساتھ ساتھ معلم کائنات ﷺ نے ان افراد کے قلوب و اذہان میں علوم و معارف کے دریاؤں کو رواں دواں فرمادیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل علوم و معارف اور خزینہٴ اسرار و دقائق بن گئے تھے۔

معلم کائنات ﷺ کا طریقہ تعلیم و تعلم انتہائی اعلیٰ اور لوگوں کو اپنی طرف مکمل طور پر راغب کرنے والا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت، اصلاحِ نفس اور تزکیہ و طہارتِ قلب و ذہن

کے لیے قرآنِ مبین کے زریں اصولوں اور روشن طریقہ تعلیم و تعلم کو اپنایا، خداے علیم وخبیر جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: ”اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو“ (ترجمہ کنز الایمان، سورہ نحل ۱۲۵-۱۲۶)

اس آیت کریمہ میں قادرِ مطلق جل شانہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے تلقین کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اس آیت میں ہر صنفِ انسانی یعنی بلا لحاظ مذہب و نسل تمام لوگوں کے لیے مکمل دعوت ہے اور جو طریقہ کامل اس میں موجود ہے وہ ہر قسمِ انسانی اور ان کے عادات و اطوار، اوصاف و خصائل اور طبیعتوں سے میل کھاتا ہے۔ انسانوں کی تین قسمیں ہیں، جن کے لیے یہ دعوت ہے وہ ہیں طبقہ خواص جو طالبِ حقیقت ہوتے ہیں۔ دوسرے طبقہ عوام تیسرے ان دونوں کے مخالف۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تینوں اقسام مذکورہ میں ہر ایک قسم کے لیے آیت کریمہ میں ایک نہایت عمدہ اور متعین اسلوب ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انھیں بلاتا اور سکھاتا ہے۔ بے شک خالق کائنات جل شانہ نے اپنے نبی پاک معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت و سر بلندی اور رعب و دبدبہ عطا فرمایا۔ ان کے کلام میں ان کی زبان میں ان کے اقوال میں لوگوں کے لیے محبت و عقیدت ڈال دی جسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ان کے لیے رعب و دبدبہ اور شیرینی و لطافتِ گفتار دونوں کو یکجا فرمادیا۔ ان کی گل افشاں گفتگو کا عادی اور دہرانے سے بے نیاز کر دیا۔ ان کی مقدس ترین زبان سے کوئی بھی لفظ نہ ساقط ہوا نہ کبھی غلط نکلا کیوں کہ وہ مینطق ان ہوا لا جی یوحی کے مصداق آپ کی زبان پر حق بولتا تھا۔ آپ وہی بولتے تھے جو مشیتِ خداوندی ہوتا تھا، امام احمد رضا بریلوی اسی جامعیت اور انفرادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں سلامِ عقیدت عرض کرتے ہیں ۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا

چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جب ہم انسانوں کی تینوں اقسام عوام و خواص اور مخالفینِ حق پر نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے



کہ آیت کریمہ کا تعلق تینوں سے قائم ہے۔ جہاں تک خواص کا تعلق ہے تو انھیں حکمت و تدبیر کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے یعنی ایسی گفتگو کے ساتھ انھیں دعوت دینی چاہیے جو محکم اور صحیح ہو اور ایسے واضح دلائل و براہین کے ساتھ ہو جو حق کو انتہائی مبرہن کر دے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دور کر دے کیوں کہ طبقہ خواص کے افراد روشن دلیلوں پر ہی قناعت کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ منزلِ ہدایت تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ طبقہ عوام کے لوگوں کو مواعظِ حسنہ کے ساتھ دعوت دینی چاہیے یعنی ایسی خطابت و تقریر جس میں عبرت ہو جس سے وہ جان لیں کہ ان کے لیے بھلائی اور فلاح و بہبود کس میں مضمر ہے؟ اور جہاں تیسری قسم کا تعلق ہے تو اس کے لیے یہ طریقہ کار ہے کہ انھیں بہترین طریقے سے سنجیدہ بحث و تحقیق کے ذریعہ دعوت دی جائے۔ یعنی نرمی سے آسان اور سہل دلائل و براہین اور معروف مثالوں کا حوالہ دیا جائے جو ان کے سینوں کی جلن کو سکون میں تبدیل کر سکیں۔

معلم کائنات ﷺ مسلمانوں کو اکثر و بیشتر سوال و جواب کے ذریعہ تعلیم دیتے تھے جیسا کہ حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی بارگاہِ مقدسہ میں نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نیکی حُسنِ خلق کو کہتے ہیں اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔“ اسی طرح آپ ﷺ خواتین کو بھی سوال و جواب کے طریقہ سے تعلیم فرماتے۔ نبوی طریقہ تعلیم میں تعلیم نسواں پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ظاہر و باطن کی آراستگی ”دینی ثقافت“ کے ذریعہ کی جائے۔

معلم کائنات ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خود سوال عرض کرتے اس لیے نہیں کہ انھیں وہ جواب دیں بلکہ سوالات کے ذریعے ان کے اذہان میں ان مطالب و مفاہیم اور رموز و اسرار کے اکتساب کے لیے ذوق و شوق اور توجہ و اشتیاق پیدا فرما دیتے جو آپ انھیں آگاہ فرمانا چاہ رہے ہوتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمھیں امر کے سر، عمود اور اس کے کوہان کی چوٹی کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں؟“ میں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ (ﷺ) کیوں نہیں؟“ آقا ﷺ نے فرمایا: ”امر (نیکی کا حکم) کا سر

اسلام ہے۔ اس کا عموماً نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔“ ہم دیکھتے ہیں کہ معلم کائنات ﷺ کا یہ طریقہ تعلیم و تعلم یعنی سوال و جواب کا طریقہ آج کے ماہرین تعلیم نے اخذ کر کے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ رسول مختار ﷺ سوال کر کے جواب معلوم کرنے کا طریقہ تعلیم لوگوں کی تربیت کے لیے استعمال فرماتے تھے تاکہ وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم اور ذہانتوں کا امتحان لیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک درخت جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مومن کی مثال ہے بناؤ وہ درخت کون سا ہے؟“ لوگوں کے ذہن صحرا کے درختوں کی طرف گئے حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال آیا مگر میں جھجک گیا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟ آقا ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ معلم کائنات ﷺ جب مسلسل لوگوں کی تعلیم و تربیت فرماتے تو اس بات کا اندیشہ فرماتے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ان کا طریقہ تعلیم گراں نہ پڑے اور وہ اکتانہ جائیں۔ لہذا انھیں آرام اور تفریح کا وقفہ فراہم کرتے تاکہ جو کچھ سکھایا گیا ہے وہ ان کے قلوب و اذہان میں اچھی طرح منقش ہو جائے۔ آج تعلیمی و تربیتی ادارے اسی طریقہ کار کو اپنا کر کامیاب ہیں۔ آج دانش گاہوں میں دورانِ تدریس طلبہ کی اکتسابِ علم کے تعلق سے آمادگی پر بہت زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرماتے تھے تاکہ ہم اکتانہ جائیں۔ آپ لوگوں کو ان کی صلاحیت کے مطابق مخاطب فرمایا کرتے تھے اور ان سے وہی کچھ کہتے جو ان کے حواس سے ہم آہنگ ہوتا ان کی فطرتوں کے عین مطابق ہوتا اور ان کے اسلوب اور طرز سے مشابہ ہوتا تاکہ آپ کی تعلیم ان تک بآسانی پہنچ سکے۔ آپ ﷺ اپنی تعلیمات کو لوگوں کے قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنے کی خاطر اپنی بات کو تین مرتبہ فرمایا کرتے۔ سوال و جواب کے طریقہ تعلیم کے علاوہ مثالوں اور حوالوں کے ذریعہ مسائل کا حل فرماتے اور اس طرح کوئی قصہ اور حکایت بیان فرما کر اسلام کی بنیادیں فکریں واضح فرماتے۔ آقا ﷺ اس طریقہ تدریس سے ایمان باللہ، توحید، رسالت، صبر، غیب، صدق، فضیلت، توبہ، توکل، قناعت اور تسلیم و رضا جیسے بلند

مضامین کو واقعات و حکایات کی روشنی میں بیان فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ جو بھی سناتے وہ سچ پر مبنی ہوتا اور سچے لوگوں کے بارے میں ہوتا کیوں کہ بیان فرمانے والا ہی صادق و مصدوق ﷺ ہوتے جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہی کہتے جو وحی الہی ہوتی کہ وہاں منطق عن الھویٰ ان ہوا لا وحی یوحی کے مصداق آپ ﷺ جو فرماتے وہ رب العزت کا کلام ہوتا۔ اس تجربے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معلم کائنات ﷺ کے تعلیم و تعلم کے انداز گونا گوں اور متنوع تھے۔ جن سے لوگوں کو نور اور کمال کی منزلوں تک رسائی ہوتی تھی اور انھی طرز ہائے تدریس کا نتیجہ تھا کہ ایک صالح اسلامی طرز معاشرت کی داغ بیل پڑ گئی جس نے فتح مبین کی حسین و جمیل شکل اختیار کر لی اور امت مسلمہ ”خیر امت“ کے عظیم ترین ”اعزاز“ سے نوازی گئی۔ ہمارے لیے ہمارے آقا و مولیٰ ہادی برحق معلم کائنات ﷺ نے دین و دنیا کے راستوں کو کشادہ فرما دیا اور اپنی تعلیمات صالحہ کی ایسی روشنی بھی عطا فرمائی کہ آج مسلمان اگر چاہیں تو اس روشنی سے ترقی اور عروج و کمال کی نہایت اعلیٰ ترین منزلوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارے اساتذہ کو چاہیے کہ دوران تدریس معلم کائنات ﷺ کا طریقہ تعلیم و تعلم استعمال کریں پھر دیکھیں اس کے کتنے اچھے اور دور رس نتائج برآمد ہوں گے، اللہ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے (آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم)



## عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت

ماہ ربیع الاول میں بالعموم اور بارہ بارہ ربیع الاول کو بالخصوص آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں پورے عالم اسلام میں محافل میلاد منعقد کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا جائز و مستحب ہے اور اس کی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ)۔ (ابراہیم، ۵) امام المفسرین سیدنا عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے نزدیک ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں۔ جن میں رب تعالیٰ کی کسی نعمت کا نزول ہوا ہو۔ (ان ایام میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و معراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے)۔ (تفسیر خزائن العرفان) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، (بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا)۔ (آل عمران، ۱۶۴)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ عظیم نعمت ہیں کہ جن کے ملنے پر رب تعالیٰ نے خوشیاں منانے کا حکم بھی دیا ہے۔

ارشاد ہوا، (اے حبیب!) تم فرماؤ! (یہ) اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت (سے ہے) اور اسی چاہیے کہ خوشی کریں، وہ (خوشی منانا) ان کے سب دھن و دولت سے بہتر ہے)۔ (یونس، ۵۸) ایک اور مقام پر نعمت کا چرچا کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا، (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو)۔ (الضحیٰ ۱۱، کنز الایمان)

خلاصہ یہ ہے کہ عید میلاد منانا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلانا بھی ہے، اس کی نعمت عظمیٰ کا چرچا کرنا بھی اور اس نعمت کے ملنے کی خوشی منانا بھی۔ اگر ایمان کی نظر سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذکر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی۔

سورہ آل عمران کی آیت (۸۱) ملاحظہ کیجیے۔ رب ذوالجلال نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی محفل میں اپنے حبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فضائل کا ذکر فرمایا۔ گویا یہ سب سے پہلی محفل میلاد تھی جسے اللہ تعالیٰ نے منعقد فرمایا۔ اور اس محفل کے شرکاء صرف انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اور فضائل کا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں موجود ہے۔

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کی چند محافل کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد نبوی میں منبر شریف پر اپنا ذکر و ولادت فرمایا۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱) آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے منبر پر چادر بچھائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ کر نعت شریف پڑھی، پھر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۵)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر بارگاہ رسالت میں ذکر میلاد پر مبنی اشعار پیش کیے (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۹)

اسی طرح حضرات کعب بن زبیر، سواد بن قارب، عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن مالک و دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی نعتیں کتب احادیث و سیرت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بعض لوگ یہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں لہذا تیسری عید حرام ہے۔ (معاذ اللہ) اس نظریہ کے باطل ہونے کے متعلق قرآن کریم سے دلیل لیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، (عیسیٰ بن مریم نے عرض کی، اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک (کھانے کا) خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی)۔ (المائدہ، ۱۱۴، کنز الایمان)

صدر الافاضل فرماتے ہیں، (یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنائیں، اسکی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجالائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں بنانا، عبادتیں کرنا اور شکر بجالانا صالحین کا طریقہ ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے)۔ (تفسیر خزائن العرفان)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت (الیوم اکملت لکم دینکم) تلاوت فرمائی تو ایک یہودی نے کہا، اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ اس پر آپ نے فرمایا، یہ آیت جس دن نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں، عید جمعہ اور عید عرفہ۔ (ترمذی) پس قرآن وحدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس دن کوئی خاص نعمت نازل ہو اس دن عید منانا جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے۔ چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقے میں ملی ہیں اس لیے آپ کا یوم میلاد بدرجہ اولیٰ عید قرار پایا۔

عید میلاد پہ ہوں قربان ہماری عیدیں

کہ اسی عید کا صدقہ ہیں یہ ساری عیدیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اکابر محدثین کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ شب میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر سے افضل ہے، کیونکہ شب قدر میں قرآن نازل ہوا اس لیے وہ ہزار مہنوں سے بہتر قرار پائی تو جس شب میں صاحب قرآن آیا وہ کیونکہ شب قدر سے افضل نہ ہوگی؟ (ما ثبت بالستہ)۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا، مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا؟ ابولہب نے کہا، تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں کیونکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ امام ابن جزری فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی کی وجہ سے ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اس کے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے۔ حالانکہ اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤمن امتی کا کیا حال ہوگا۔ جو میلاد کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب مال خرچ کرتا ہے۔ قسم ہے میری عمر کی، اس کی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے افضل و کرم سے جنت نعیم میں داخل فرمادے۔ (مواہب الدنیہ ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ مصر)

اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن عید میلاد

کیسے منایا؟ سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۸۷ اور خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۴ پر یہ روایت موجود ہے کہ (جس سال نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو ودیعت ہوا وہ سال فتح و نصرت، تروتازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہل قریش اس سے قبل معاشی بد حالی اور قحط سالی میں مبتلا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی برکت سے اس سال رب کریم نے ویران زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی، سوکھے درخت پھلوں سے لد گئے اور اہل قریش خوشحال ہو گئے)۔

اہلسنت اسی مناسبت سے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں اپنی استطاعت کے مطابق کھانے، شیرینی اور پھل وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر شمع رسالت کے پروانے چراغاں بھی کرتے ہیں۔ اس کی اصل مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، (میری والدہ ماجدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ ان سے ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے)۔ (مشکوہ)

حضرت آمنہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں، (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق سے مغرب تک ساری کائنات روشن ہو گئی)۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۲، سیرت ج ۱ ص ۹۱)

ہم تو عید میلاد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں اپنے گھروں اور مساجد پر چراغاں کرتے ہیں، خالق کائنات نے نہ صرف ساری کائنات میں چراغاں کیا بلکہ آسمان کے ستاروں کو فانوس اور قمقمر بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص (رضی اللہ عنہ) کی والدہ فرماتی ہیں، (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی میں خانہ کعبہ کے پاس تھی، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے روشن ہو گیا۔ اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں)۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۹۴، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۴۰، زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۱۶)

سیدتنا آمنہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں، (میں نے تین جھنڈے بھی دیکھے، ایک مشرق میں گاڑا گیا تھا۔ دوسرا مغرب میں اور تیسرا جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر لہا رہا تھا)۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۰۹) یہ حدیث (الوفابا حوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) مے محدث ابن جوزی نے بھی روایت کی ہے۔ اس سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جھنڈے لگانے کی اصل بھی ثابت ہوئی۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جلوس بھی نکالا جاتا ہے اور نعرہ رسالت بلند کیے جاتے ہیں۔ اس کی اصل یہ حدیث پاک ہے کہ جب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلیان مدینہ نے جلوس کی صورت میں استقبال کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام گلیوں میں پھیل گئے، یہ سب با آواز بلند کہہ رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (صحیح مسلم جلد دوم باب الحجۃ)

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے بعد اب چند تاریخی حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ جن سے ثابت ہو جائے گا کہ محافل میلاد کا سلسلہ عالم اسلام میں ہمیشہ سے جاری ہے۔

محدث ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں، (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، یمن، مصر، شام اور تمام عالم اسلام کے لوگ مشرق سے مغرب تک ہمیشہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر محافل میلاد کا انعقاد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تذکرے کا کیا جاتا ہے اور مسلمان ان محافل کے ذریعے اجر عظیم اور بڑی روحانی کامیابی پاتے ہیں)۔ (المیلاد النبوی ص ۵۸)

امام ابن حجر شافعی (رحمہ اللہ)۔ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں، (محافل میلاد و اذکار اکثر خیر ہی پر مشتمل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں صدقات ذکر الہی اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درود و سلام پیش کیا جاتا ہے)۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۲۹)

امام جلال الدین سیوطی (رحمہ اللہ)۔ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں، (میرے نزدیک میلاد کے لیے اجتماع تلاوت قرآن، حیات طیبہ کے واقعات اور میلاد کے وقت ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان بدعات حسنہ میں سے ہے۔ جن پر ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے)۔ (حسن المقصد فی عمل المولود فی الہاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۹)

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں، (ربیع الاول میں تمام اہل اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل منعقد کرتے رہے ہیں۔ محفل میلاد کی یہ برکت مجرب ہے کہ اس کی وجہ سے سارا سال امن سے گزرتا ہے۔ اور ہر مراد جلد پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں



نازل فرمائے جس نے ماہ میلاد کی ہر رات کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض و عناد ہے۔ (مواہب الدنیہ ج ۱ ص ۲۷)

شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ (والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ میں ہر سال میلاد شریف کے دنوں میں کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا کرتا تھا۔ ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ ہوا، میں نے وہی چنے تقسیم کر دیے۔ رات کو خواب میں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بیحد خوش اور مسرور ہیں۔ (الدار الثمین ص ۸)

ان دلائل و براہین سے ثابت ہو گیا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کرنے اور میلاد کا جشن منانے کا سلسلہ امت مسلمہ میں صدیوں سے جاری ہے۔ اور اسے بدعت و حرام کہنے والے انصاف و دیانت کے راستے سے دور ہیں۔



## نبی کریم ﷺ کی محبت اور تعظیم

نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی جان، اہل و عیال والدین اور تمام دنیا سے بڑھ کر نہ محبت کرے۔ آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرنا اور آپ کی تعظیم کرنا عین عبادت ہے، کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ جبکہ عبادت دل، زبان اور تمام اعضاء سے ادا کی جاتی ہے۔ اعمال میں اخلاص ”لا الہ الا اللہ“ کا تقاضا ہے۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع ”محمد رسول اللہ“ کا تقاضا ہے۔ کیوں کہ محمد رسول اللہ کا معنی ہی یہی ہے کہ آپ ایک سچے نبی ہیں۔ لہذا آپ ﷺ کے اوامر کی اطاعت، نواہی سے بچنا اور لائی ہوئی شریعت کی تصدیق ہم پر لازم ہے، اور یہی کمال محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قل ان کا با وکم وابنا وکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموالن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضوھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتریسوا حتی یاقی اللہ بامرہ واللہ لا یہدی القوم الفسقین [التوبہ: 24] آپ فرمادیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو اللہ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر مذکورہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں مانع ہو جائیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ ہے، اور اس کی ناراضگی کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں ہر مومن کو دنیا و آخرت میں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوں، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ سکتے ہو“ النبی اولی بالمومنین من انفسہم [الاحزاب: 6] دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انا اولی بکل مومن من نفسہ“ [مسلم] حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من

والدہ وولده والناس اجمعین [بخاری، مسلم] کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میرے ساتھ اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے بڑھ کر نہ محبت کرے۔ حضرت عبداللہ بن ہشام روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم بنی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اور آپ ﷺ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، پس حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تک میں تیری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ایمان مکمل نہ ہوگا، حضرت عمر نے کہا: پس اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم کامل مومن ہو۔ [بخاری] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کے اندر تین چیزیں موجود ہیں گویا کہ اس نے ایمان کی لذت اور مٹھاس کو پالیا۔ جن میں سے ایک یہ کہ اس کو اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ [بخاری، مسلم] نبی کریم ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والے آپ ﷺ کے صحابہ تھے۔ کیوں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت اختیار کی تھی آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام سے محبت کا منفرد انداز اور عجیب کیفیت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا گیا: کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کی کیا کیفیت تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنی اولادوں، والدین، مال و دولت اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب (شرح الشفا: 2/40) حضرت زید بن الدشنہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے۔ جب اہل مکہ نے ان کو حرم سے نکال کر قتل کرنا چاہا تو ابوسفیان بن حرب (جو ابھی تک مشرک تھے، اسلام قبول نہیں کیا تھا) نے پوچھا: اے زید! میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں: کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اب اس وقت تیری جگہ پر محمد ﷺ ہوں اور ہم ان کو قتل کر دیں، جب کہ تو اپنے بچوں کے پاس بیٹھا ہو تو حضرت زید نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ جہاں بھی موجود ہیں، وہاں ان کو کاٹنا چھوے اور میں اپنے بچوں میں بیٹھا رہوں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی، اس کے ساتھ اتنی محبت کرتے ہوں، جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ [البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: 4/65] ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ام المؤمنین زوجۃ النبی ﷺ) کو ملنے کے لئے مدینہ منورہ آیا، جب گھر میں داخل ہوا اور نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا، ابوسفیان نے

پوچھا: بیٹی! کیا تو بستر کو مجھ سے دور کر رہی ہے یا مجھے بستر سے دور کر رہی ہے تو انہوں نے جواب دیا: ہو فراش رسول اللہ ﷺ وانت مشرک نجس، فلم احب ان تجلس علی فراشه [البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: 4/280] یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک ہے جبکہ تو پالید مشرک ہے، میں یہ قطعاً پسند نہیں کرتی کہ تو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھے حضرت انس بن مالک کا قول ہے: کہ ازیت پہنچنے سے پہنچنے اور شدت محبت کی وجہ سے صحابہ کرام آپ ﷺ کے گھر کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے، تاکہ آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔ [بیہقی] حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جنگ احد والے دن نبی کریم ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، تو مدینہ کے ہر کوئے سے چیخ و پکار کی آوازیں انا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ ایک انصاری عورت آپ ﷺ کی خبر لینے کے لئے مدینہ سے نکلی اور لشکر کی جانب چل پڑی اور جنگ سے واپس آنے والے ہر شخص سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتی، جب اس کو بتایا گیا کہ تیرا باپ، بیٹا، بھائی اور خاوند تمام شہید ہو چکے ہیں تو اس اللہ کی بندی نے کہا: ما فعل رسول اللہ ﷺ، مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ ان کا کیا حال ہے۔ صحابہ کرام نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ وہ تیرے سامنے بنجر و عافیت موجود ہیں۔ تو اس انصاری عورت نے آپ ﷺ کے کپڑے مبارک کا کنارہ پکڑتے ہوئے کہا: بابی انت واهی یا رسول اللہ ﷺ لا ابالی اذ سملت من عطب [رواہ الطبرانی فی الاوسط] میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان یا رسول اللہ! اب میں بھی ہلاک کر دی جاؤں تو مجھے کوئی پروا نہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا: کل مصیبة بعدک جلد [سیرۃ ابن ہشام] آپ کے بعد تمام غم آسان ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کی جانب سے عروہ بن مسعود الثقفی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) قاصد بن کر آئے اور صلح کی شرائط طے کیں، جب واپس اپنی قوم کے پاس گئے تو کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس قاصد بن کر جا چکا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو مل چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کا لعاب دہن کسی کے ہاتھ پر گر گیا تو اس نے اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا اور اگر محمد ﷺ نے کوئی حکم دیا تو صحابہ نے فوراً تعمیل کی اور جب وضو کیا تو گرنے والے پانی کو لینے کے لئے مقابلہ کیا اور جب بات کی تو تمام نے اپنی آوازوں کو پست کر لیا اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

[رواہ البخاری] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ گفتگو فرماتے تو صحابہ کرام خاموشی کے ساتھ اس قدر انہماک سے اپ ﷺ کی بات سنتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں [بخاری]

اس تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر عین منشاے قرآنی اور تقاضاے ایمانی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سرور کونین ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کا اظہار اپنے عمل سے کریں ان کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں۔ گناہوں سے بچیں۔ نیکیوں پر چلیں کہ یہی محبت رسول ﷺ کا حقیقی تقاضا بھی ہے۔



## یوم آزادی انسانیت

نامعلوم محسنوں کی یاد منانے کی رسم کب سے چلی ہے، یہ رسم قدیم بھی ہے اور عظیم بھی۔ ہر عصر میں مختلف بلاد و امصار میں محسنین کی یادیں منائی جاتی رہی ہیں۔ صرف انداز اور طریقہ کار جدا رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں قومی رہنماؤں کی یاد منائی جاتی ہے۔ ان کا یوم پیدائش اور موت کے دن کچھ وقت کے لیے سر و قد خاموش کھڑے رہ کر ان کو خراج تحسین پیش کی جاتی ہے۔ جس روز ملک کو آزادی ملی اس کو بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ تو کیا جس روز کسی مخصوص علاقے یا کسی مخصوص خطے کو نہیں بل کہ پوری انسانیت کو آزادی ملی وہ دن نہ منایا جائے؟ عقل سوچے اور جواب دے؟؟؟

یوم آزادی انسانیت کیا ہے؟ ارے وہی جس روز نبی کریم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اسی روز زمانہ جاہلیت کے تمام بت ناپائدار کو لوگوں نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔ آپ ﷺ کی آمد سے سسکتی بلکتی انسانیت کو راحت و اطمینان نصیب ہوا۔ چہروں کا وقار بحال ہوا۔ نگاہوں کی حیا محفوظ ہوئی۔ بے حیائیوں اور برائیوں کا خاتمہ ہوا۔ یوم ولادت رسول کو نین صلی اللہ علیہ وسلم ہی یوم آزادی انسانیت ہے۔

اوپر ذکر کیا گیا کہ ملک کا یوم آزادی منایا جاتا ہے۔ جی ہاں! کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو خالص مذہبی لبادے میں ہوتے ہیں وہ بھی ملک کی آزادی کا دن بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ منائیں کوئی قباحۃ نہیں، ہم بھی ملک کی آزادی کا دن بڑے اہتمام سے مناتے ہیں قومی گیت گاتے ہیں، پرچم کی سلامی دیتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے ان حضرات پر جو آزادی کا جلوس نکالتے ہیں، جلسوں کا انعقاد کرتے ہیں، قومی پرچم کو سلامی دیتے ہیں، قومی ترانے کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر جب یوم ولادت رسول ﷺ کی بات آتی ہے تو ان نکتہ چینوں کو یہ سب شرک و بدعت نظر آنے لگتا ہے۔ جشن ولادت طیبہ کے نام پر منعقد کیے گئے اجلاس اور جلوس کو یہ شرک و بدعت کہتے نہیں تھکتے اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنے اور سبز پرچم کو گھروں پر لہرانے کو بدعات و خرافات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تضاد سے عقل حیران ہے۔ یقین انگشت بدنداں ہے۔ عشق و محبت

فریادی ہیں۔ دنیاوی مفاد کے لیے ملک کی آزادی کا جشن اور اپنے قائدین و اکابر کا یومِ ولادت منانے، اپنی اور اپنے بچوں کی سالگرہ منانے اور اسلام دشمن یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح موم بتیاں روشن کرنے اور کیک کاٹنے میں کوئی برائی اور قباحہ محسوس نہیں ہوتی۔ مگر واے افسوس!! یہ اچھا نہیں لگتا کہ آقائے کائنات ﷺ کے ذکر و اذکار ہوں۔ ان کے محامد و فضائل بیان کیے جائیں۔ ان کی ولادتِ طیبہ کے دن کو یاد کیا جائے۔ کھڑے ہو کر سلام پڑھا جائے۔ جلوسِ عقیدت نکالا جائے۔ سبز پرچم لہرایا جائے۔

یاد رکھیے جو قوم اپنے محسنوں کی یاد منانا چھوڑ دیتی ہے تباہی و بربادی ان کا مقدر بننے لگتا ہے۔ آج ہماری پریشانیوں، کلفتوں اور مصیبتوں کا سبب یہی ہے کہ ہم نے حضور جانِ ایمان ﷺ کے یومِ ولادت کو شرک و بدعت کہنا شروع کر دیا ہے۔ اور اکابر امت کے جن لوگوں نے صدیوں سے جشنِ ولادتِ طیبہ منایا ہے ان کو بدنام کرنے کے درپے ہیں۔ افسوس کہ ہماری بدبختی اور بد نصیبی اس انتہا کو پہنچ گئی۔ ہمیں دوبارہ اکنافِ عالم پر چھانے کے لیے پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا اندازِ فکر بدلنا ہوگا اور ہمیں معتدل اور اچھی روش اختیار کرنا ہوگی، یہ قولِ فخرِ مشرق علامہ شفیق جون پوری علیہ الرحمہ —

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی  
وہ اپنے ہو گئے تو رحمتِ پروردگار اپنی



## عید میلاد النبی ﷺ عید کائنات ہے

نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا دن یقیناً خوشی و مسرت کا دن ہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کا دن یقیناً رنج و الم کا دن ہوتا اگر آپ ﷺ نے سوگ منانے کو حرام نہ قرار دیا ہوتا۔ اللہ عزوجل کے مقرب بندوں کی وفات کا دن تو اُن کے لیے باعثِ مسرت و اطمینان ہوتا ہے کہ عمر بھر جس رب کی عبادت و ریاضت اور فرماں برداری میں مصروف رہے آج اُس کی بارگاہ میں حاضری کا موقع مل رہا ہے۔

اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں فضل و اکرام اور رحمت و انعام کے حصول پر خوشی و مسرت کے اظہار کا صاف و صریح حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ رب عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

"قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾"

(سورہ یونس 58)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ دو چیزوں کے ملنے پر خوشی کرنے کا حکم فرما رہا ہے "اللہ کا فضل" اور "اس کی رحمت"۔ یعنی جب تم پر اللہ کا کوئی فضل و احسان ہو تو تم خوشیاں مناؤ اور جب کوئی رحمت نازل ہو تو مسرت کا اظہار کرو۔ لہذا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت کے حصول پر اس قرآنی حکم کے مطابق خوشیاں منائی جاسکتی ہیں۔ جشن برپا کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب مال و دولت اور روپیوں پیسوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت کیا ہے؟؟ تو اس کا جواب خود قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمیں اس طرح عطا فرما رہا ہے، ملاحظہ کیجیے:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾" (سورہ انبیاء 107)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (کنز الایمان)



اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بل کہ رحمت عالمین فرمایا ہے۔ پہلی آیت کریمہ جو ہم نے نقل کی اس میں رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم ہے۔ اب دیکھیے، فضل اور رحمت دونوں کا ایک ساتھ ذکر خداے قدیر و جبار جل شانہ نے اپنے مقدس کلام میں اس طرح کیا ہے:

"وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾"

(سورہ نساء 83)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے (کنز الایمان) درج بالا موخر الذکر آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے یہی فرمایا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ اللہ رب العزت جل شانہ نے جب صاحب فضل و رحمت نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا تو یہاں پر کفر و شرک کا بازار گرم تھا، لوگ شیطان کی اتباع میں لگے ہوئے تھے۔ نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر میں ایک انقلاب عظیم برپا کیا اور اس زمین کو امن و امان اور اسلام و ایمان کا گہوارہ بنا دیا۔ سسکتی بلکتی انسانیت کو تاریکی کے عمیق غاروں سے روشنی کے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ تمام لوگوں کو شیطان کی پیروی سے بچا کر ایک معبود حقیقی کی بارگاہ میں جھکا دیا۔ یہ بات یقیناً دنیاے انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین فضل اور اس کی رحمت عامہ ہے۔

متذکرہ بالا آیات میں پہلی آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا چاہیے جو کہ دنیا بھر کی دولت و ثروت سے بدرجہا بہتر ہے۔ نیز دوسری اور تیسری آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اللہ عز و جل کے پیارے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد دنیاے انسانیت کے لیے اللہ کا سب سے بڑا فضل اور رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہی رب تبارک و تعالیٰ نے دنیا کی تخلیق فرمائی بل کہ اپنی ربوبیت کو بھی ظاہر فرمایا۔ لہذا اس سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی دو عیدیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو یہ تو مسلمانوں کو یہ عیدیں تو کیا، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض یہ کہ کچھ بھی نہ ملتا۔ اسی لیے اہل محبت کے نزدیک عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کائنات کہلاتی ہے۔

رہا معاملہ خوشی و مسرت کے اظہار کا تو ہر جائز و مستحسن اور مباح طریقے اس ضمن میں بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن کے لیے گھروں کو سجانا، برقی قمقموں سے چراغاں کرنا، سجاوٹ کرنا وغیرہ ہرگز فضول خرچی نہیں۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ فضل و رحمت ملنے پر خوشی کریں کہ یہ مال و دولت سے بڑھ کر ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب فضول خرچی ہے تو گویا وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر خوشی منانے والی متذکرہ بالا آیت کا انکار کر رہا ہے۔

یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر پوری کائنات اور تمام عالم نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا تھا اگر اس دن کوئی ناخوش تھا اور جس کے چہرے پر رنج و غم طاری تھا تو وہ صرف ابلیس لعین ہی تھا۔ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہمیں کس کی پیروی کرنا ہے؟

اللہ عز و جل سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلاموں میں قبول فرمائے اور ان کی پاکیزہ سنتوں پر عمل کرنے والا بنائے۔ نیز ہمیں جادہ حق پر قائم و دائم رکھے (آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم)



## سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنجیدگی و متانت، عظمت و وقار اور خوش سلیقگی کا پیکر حسین تھے۔ بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے اور نہ ہی آواز سے ہنستے تھے۔ آپ کا ارشادِ عالیشان ہے:

لا تكثر الضحك فان كثرة  
الضحك تميت القلب۔  
مردہ کر دیتا ہے۔ (ترمذی شریف)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں اور غلاموں کی دل جوئی اور دل بستگی کے لیے کبھی کبھار خوش طبعی فرمالیا کرتے تھے۔ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ دل لگی فرما کر ان کے قلوب و اذہان کو جلا بخشتے اور ان میں سچی محبت اور بے لوث پیار کے چشمہ صافی جاری فرما دیا کرتے تھے۔

سیرت طیبہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر تبسم فرمایا کرتے جس سے غم زدوں، بے کسوں، بے بسوں اور بے نواؤں کو تسکین و راحت ملتی اور روتوں، گریہ زاری کرنے والوں اور اشک باروں کو فرحت و تازگی کا احساس ہوتا اور وہ اپنا رنج و غم سب بھول جایا کرتے تھے۔

امام ترمذی نے حارث بن جرز رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

ما رايت احداً أكثر تبسماً من رسول  
الله صلى الله عليه وسلم وفي رواية ما  
كان ضحك رسول الله صلى الله  
عليه وسلم الا تبسماً۔  
حضرت حارث نے کہا کہ میں نے حضور  
انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو  
مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (ترمذی  
شریف)

حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: آپ کا سلوک عام لوگوں کے سلوک کی طرح تھا۔

اکرم الناس خلقاً كان ضاحكاً بساماً۔

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کریم الاخلاق تھے ہنستے بھی تھے مسکراتے بھی تھے۔“  
حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:  
کان افکھ الناس خلقاً۔

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بڑھ کر خوش طبع تھے۔“  
لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ طراقت، خوش طبعی، دل لگی اور دل آویز تبسم اعتدال اور میانہ روی کا مرقع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
انی لا مزح ولا أقول الا حقاً۔

”میں مزاح تو کرتا ہوں لیکن ہمیشہ سچ کہتا ہوں۔“  
حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی صرف تبسم ہوا کرتی تھی۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ ہنسی مذاق کیا ہو آپ عام لوگوں کی طرح دوسروں کے ساتھ ناشائستہ ہنسی مذاق نہیں فرماتے تھے، صحابہ آپ کی مجلس میں ایسی سنجیدگی و متانت سے بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔“ (جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی کی وضاحت کرتے ہوئے ام عبیدہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”ایک دفعہ ہم اپنی ایک نوجوان بچی کو اس کے خاوند، جو قبیلہ بنی نجار کا فرد تھا، کے پاس لے جا رہی تھیں۔ میرے ساتھ بنی نجار کی عورتیں بھی تھیں۔ میرے پاس دف تھی جو میں بجا رہی تھی اور میں کہہ رہی تھی۔

اتینا کم اتینا کم فحیو فانحییکم  
”ہم تمہیں سلام کہتی ہیں تم ہمیں سلام کہو۔“  
ولولا الذهب الاحمر ما حلت بوا دیکم

”اور اگر تمہارے پاس سرخ سونا نہ ہوتا تو یہ عروسہ تمہاری وادی میں نہ اترتی۔“  
ہم اس طرح گزر رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ام عبیدہ یہ کیا کر رہی ہو؟ میں نے عرض کی میرا باپ اور

میری ماں حضور (ﷺ) پر قربان، یا رسول اللہ! یہ قبیلہ بنی نجار کی دہن ہے جسے ہم اس کے خاوند کے پاس لے جا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے اپنے وہ گیت سنائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولولا الحنطة السمر آء ما سمت عذارىكم۔

”اگر یہ گندم نہ ہوتی تو تمہاری یہ کنواریاں اتنی موٹی نہ ہوتیں۔“

حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سواری کے لیے گھوڑا لایا گیا آپ نے جب اس کی رکاب میں پاؤں رکھا تو بسم اللہ کہا، پھر اس کی پیٹھ پر سوار ہوئے تو الحمد للہ فرمایا، پھر سواری کی دعا پڑھی، پھر تین بار الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا اور پھر یہ دعا پڑھی:

سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

”یارب تو پاک ہے بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر آپ ہنس پڑے۔

میں نے پوچھا! یا امیر المؤمنین! آپ کس بات پر ہنسے؟ فرمایا! میرے سامنے ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا اور پھر آپ ہنسے تھے وجہ پوچھنے پر آقا علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”جب بندہ کہتا ہے یارب میرے گناہ بخش دے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی میرے گناہ معاف کرے گا اور کوئی بخشنے والا نہیں تو اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے۔“ اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرائے تھے اور اس سنت کی پیروی میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی مسکرائے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ مسکرانا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور شیعہ رسالت کے پروانے کس طرح سے آپ کی محبت والفت میں آپ کی ایک ایک ادا کو ادا کرنے میں مخلص تھے۔

اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ظرافت، شگفتہ مزاجی، خوش طبعی اور دل آویز تبسم کے بارے میں مزید چند احادیث طیبہ نشانِ خاطر فرمائیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خوش طبعی کے طور پر فرماتے: ”اے دوکانوں والے!“ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھل مل جایا کرتے تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، اس کا بلبل مر گیا، وہ بڑا افسردہ اور مغموم تھا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کی افسردگی کو دور کرنے کے لیے فرمایا:

یا ابا عمیر ما فعل النغیر

”اے ابوعمیر تیرے بلبل کو کیا ہوا؟“

یہاں ”عمیر“ اور ”نغیر“ جیسے ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے خوش طبعی فرمائی گئی ہے۔

ایک دیہاتی صحابی حضرت زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دیہات کی چیزیں بہ طور تحفہ لایا کرتے تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں تحفہ دیا کرتے تھے۔ وہ اگرچہ زیادہ خوش شکل نہیں تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے۔ ایک دن وہ بازار میں بیٹھے کچھ سامان بیچ رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا:

من يشتري هذا العبد؟

”اس غلام کو کون خریدتا ہے؟“

مزاح کا یہ انداز کتنا دلکش، حسین و جمیل اور جود و عطا والا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی حضرت زاہر (رضی اللہ عنہ) سے خوش طبعی تو فرما رہے ہیں ساتھ ساتھ ان کی قسمت بھی چکا رہے ہیں انہیں خود اپنی زبانِ نبوت سے ”غلام“ کہہ کر پکار رہے ہیں۔

ایک شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی: ارشاد فرمایا:

انا حاملوک علی ولد الناقہ۔

”ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔“

اس نے عرض کی میں اونٹنی کے بچے کا کیا کرونگا؟ فرمایا: اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ پانچ سال کے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے ان کے گھر میں ایک کنواں تھا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمایا اور خوش طبعی کے طور پر پانی کی ایک کلی حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ماری۔ (بخاری شریف) محدثین کرام علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کی برکت سے ان کو وہ حافظہ حاصل ہوا کہ اس قصہ کو یاد رکھتے اور بیان فرماتے اس وجہ سے صحابہ میں شمار ہوئے۔

ابن عساکر اور ابو یعلیٰ صحیح راویوں کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حریرہ پکایا اور لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی حاضر تھیں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ بھی کھائیں۔ انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ میں نے کہا یا تو کھاؤ یا میں یہ حریرہ تمہارے چہرے پر مل دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا۔ میں نے اس حریرہ میں ہاتھ ڈالے اور اسے لے کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سراپنی راہ مبارک پر رکھا اور حضرت سودہ سے فرمایا: تم بھی اسی طرح اس حریرہ کو عائشہ کے چہرے پر لپک کر دو۔ چنانچہ حضرت سودہ نے میرے چہرے پر وہ حریرہ مل دیا۔ ہم دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر سر کا ردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ میں اس آدمی کو جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس کو بھی جانتا ہوں جو سب سے پہلے جہنم سے نکالا جائے گا۔ ایک آدمی کو قیامت کے روز پکڑ کر لایا جائے گا اور فرشتوں کو کہا جائے گا پہلے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھو۔ جب اسے کہا جائے گا کہ یہ یہ گناہ تم نے کیے۔ وہ اقرار کرے گا اور انکار نہیں کرے گا اور اسے ان چھوٹے گناہوں کا کوئی خوف نہ ہوگا البتہ اسے یہ اندیشہ ضرور ہوگا کہ اگر اس کے بڑے گناہ پیش کیے گئے تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ جب اس کے سامنے جو گناہ پیش کیے جائیں گے ان کو وہ تسلیم کرے گا فرشتوں کو فرمایا جائے گا: اعطوہ مکان کل سینۃ عملہا حسنۃ ہر گناہ کے بدلے جو اس نے کیا ہے اس کو نیکی دے دو۔ وہ کہے گا میرے پروردگار! میرے تو ایسے گناہ بھی تھے جو یہاں نہیں دیکھ رہا۔“ اس کا مقصد تھا کہ وہ بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں اور ان کو بھی نیکیوں سے بدل دیا جائے۔ حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے۔

حضرت امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بوڑھی صحابیہ بارگاہ نبویہ (ﷺ) میں عرض گزار ہوئی، یا رسول اللہ (ﷺ)! دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں داخل فرمائے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ مزاح اسے کہا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے کے لیے مسجد تشریف

لے گئے۔ اس بوڑھی عورت نے رونا شروع کر دیا، خوب روئی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب سے آپ نے اس بوڑھی عورت کو یہ فرمایا ہے کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ اس وقت سے زار و قطار رو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے، فرمایا: بے شک جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی (بلکہ جوان ہو کر جائیں گی)، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَنَا اَنْشَاْنَهُنْ اَنْشَاءً فَجَعَلْنَهُنْ اَبْكَارًا۔

”بے شک ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر پیدا کیا اور پھر انہیں کنوا ریاں بنایا۔“ (شمائل ترمذی)

حضرت امام احمد ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ایک دفعہ میں ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھی۔ میری عمر اس وقت چھوٹی تھی اور میرا بدن ہلکا پھلکا تھا۔ حضور نے لوگوں کو کہا تم آگے چلے جاؤ وہ سب آگے چلے گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: آؤ آپس میں دوڑ لگائیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ لگائی۔ میں آگے نکل گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد میں فریبہ ہو گئی وہ واقعہ میں بھول گئی۔ پھر ایک مرتبہ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا تم آگے چلے جاؤ۔ جب لوگ آگے چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: آؤ دوڑ لگائیں۔ چنانچہ اس دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ آپ ہنستے رہے، فرمایا:

هَذِهِ بَيْتَلُكَ کہ اب بدلہ چکا دیا گیا۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں تشریف فرما تھے۔ وہاں کچی ہوئی اور نیم پختہ کھجوریں رکھی تھیں۔ میری ایک آنکھ دکھتی تھی میں نے کھانے کے لیے ایک کھجور اٹھالی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَتَاكُلُ التَّمْرَ عَلٰی عَيْنِيْكَ وَاَنْتَ رَمِدٌ۔

”کیا تم کھجور کھا رہے ہو حال آنکہ تمہاری آنکھ دکھتی ہے؟“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنی صحیح آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہنس پڑے۔

امام ابوداؤد اسنادِ جید سے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں:



ایک انصاری تھا جو بڑا خوش طبع تھا۔ جب وہ قوم سے بات کرتا تو انہیں خوب ہنساتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف لائے اور جو چھڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھی اس کے ساتھ اس کی کمر کو کھجلا یا۔ اس شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ (ﷺ)! میں تو بدلہ لوں گا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ (ﷺ)! جب آپ نے مجھے کھجلا یا تو میں نے قمیص نہیں پہنی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص پہنی ہوئی ہے اس طرح اگر کروں تو بدلہ نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اوپر اٹھائی۔ وہ دوڑ کر آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے لگایا اور آپ کی کمر پاک کو بوسے دینے لگا، عرض کی! میں نے یہ سارا حیلہ اس مقصد کے لیے کیا تھا۔

امام بخاری نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک سفر میں مجاہدین کے ساتھ جو بوجھ تھا وہ بہت گراں محسوس ہونے لگا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: تم اپنی چادر بچھاؤ۔ چنانچہ انہوں اپنا بوجھ اس میں ڈال دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِخْمِلْ فَإِنَّتْ سَفِينَةً۔

”اے اٹھا لو تم تو کشتی ہو۔“..... یعنی کشتی میں سارا بوجھ سما جاتا ہے اور وہ اٹھالیتی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نام کو ذومعنی انداز میں ارشاد فرما کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابی سے جو خوش طبعی فرمائی، اس سے صحابی رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے اور وہ ﷺ وجد و سرور میں کہہ اُٹھتے ہیں کہ: جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ”کشتی“ فرمایا تو اس کے بعد سات اونٹوں کے بوجھ مجھ پر لا دیا جاتا تو وہ مجھے بھاری نہ معلوم ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا جو دورانِ سفر ازواجِ مطہرات کے اونٹوں کے سامنے حدی خوانی کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے حدی کے اشعار کہے تو اونٹوں پر مستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ تیز تیز چلنے لگے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حدی خواں کو فرمایا: ذِيحَكْ يَا اَنْجَشَهْ اِرْفَقْ بِالْقَوْرِ يَرْ..... اے انجشہ! تیرا بھلا ہو کا نچ کی نازک شیشوں کے ساتھ نرمی کرو یعنی اونٹوں کو آہستہ چلنے دو مبادا انہیں (ازواجِ مطہرات کو) کچھ اذیت پہنچے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو کا نچ کی نازک شیشوں کہنا۔ یہ بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خوش طبعی اور شانِ ظرافت کا ایک نمونہ ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: بعض احادیث میں جو مزاح اور کھیل وغیرہ کی ممانعت آئی ہے وہ کثرت اور زیادتی سے ہے۔ یعنی جو خوش طبعی اور کھیل وغیرہ اللہ عزوجل کی یاد سے اور دینی امور پر غور و فکر کرنے سے غافل کر دے وہ منع ہے اور جو شخص ان کے باعث دینی امور سے غافل نہ ہو سکے اس کے لیے یہ مباح یعنی جائز ہے۔ اور اگر اس سے کسی کی دل جوئی اور کسی سے دلی محبت کا اظہار مقصود ہو جیسا کہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک تھا تو یہ مستحب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ میں تواضع اور خوش طبعی نہ ہوتی تو کسی میں یہ قدرت و طاقت نہ ہوتی کہ آپ کی خدمتِ عظمتِ نشان میں بیٹھ سکتا یا آپ سے کلام کر سکتا کیونکہ آپ کی ذاتِ اقدس میں انتہائی درجہ کا رعب و جلال اور شوکت و دبذہ تھا۔ (۲۰/۵/۲۰۰۷)

(حاصل مطالعہ کتب: شمائلِ ترمذی، سیرۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، جانِ ایمان، جمالِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم))



## عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے عرب

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ حصولِ نعمت پر اظہارِ مسرت کرتا اور زوالِ نعمت پر غم گین ہو جاتا ہے چوں کہ یہ دونوں باتیں فطری اور انسانی جبلت و طبیعت کا لازمی جز ہیں، اس لیے ان کے حصول کے لیے کسی ترغیب کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی رکاوٹ ان سے باز رکھنے میں کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جن کا احاطہ ناممکن ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے: ”اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو انھیں گن نہیں سکتے۔“

لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت بل کہ تمام نعمتوں کی اصل سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پورے کرۂ ارض پر ایک انقلاب بپا ہوا۔

گمراہی ہدایت سے بدلی، کفر کی جگہ اسلام آیا، فحاشی و عیاشی کی جگہ اخلاقِ حسنہ کا دور دورہ ہوا، یتیموں کو والی اور بے سہارا کو سہارا ملا، عورتوں کی عزت و ناموس کو تحفظ حاصل ہوا، ظلم و تشدد کی جگہ عدل و انصاف کا علم بلند ہوا۔ غرض یہ کہ قرآنِ پاک کی زبان میں جہنم کے کنارے پر پہنچی ہوئی انسانیت جنت کی طرف رواں دواں ہوئی اور جہنم میں گرنے سے بچ گئی۔

ایسی عظیم المرتبت شخصیت جن کی آمد سے کائنات میں بہارِ جاوداں آئی۔ اُن کی ولادت باسعادت پر کسے خوشی نہ ہوگی انسان تو درکنار، بے زبان چوپائے بھی باعثِ تخلیقِ کائنات کی آمد پر شاداں و فرحاں ہیں۔ کیوں کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادرِ رحمت کے سایے میں نہ صرف انسانوں کو جگہ دی بل کہ حیوانات اور پرندوں تک کو جگہ دی۔

لہذا عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی منانا اور اس پر مسرت موقعِ کو عید قرار دینا یقیناً انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور تمام سلیم الفطرت انسان عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو

تمام عیدوں سے بڑھ کر عید قرار دیتے ہیں اور اسے منانے کے لیے پورے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ سے جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مناتے چلے آ رہے ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن قسطلانی شارح بخاری بہ زبانِ امام جزری روایت کرتے ہیں:

”اہل اسلام حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے مہینے میں ہمیشہ سے میلاد کی محفلیں منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے اور دعوتیں کرتے۔ ان راتوں میں قسم قسم کے صدقے اور خیرات کرتے اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں، نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور آپ کا میلاد پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضلِ عیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور میلاد شریف کے خواص میں سے آزمایا گیا ہے کہ جس سال میلاد شریف پڑھا جاتا ہے وہ سال مسلمانوں کے لیے حفظ و امان کا سال ہوتا ہے اور میلاد شریف منانے سے دلی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر بہت رحمتیں فرمائے جس نے ولادت کی مبارک راتوں کو خوشی و مسرت کی عیدیں بنالیا (آمین)۔“

تفسیر روح البیان میں آیت کریمہ: محمد رسول اللہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”ابن حجر المہتمی فرماتے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف منانا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعتِ حسنہ ہے۔“

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”ہر طرف اور ہر شہر کے مسلمان مولود شریف کرتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس محفل کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے۔ امام جوزی کہتے ہیں کہ: ”میلاد کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی رحمت و برکت سے امن رہتا ہے اور حصولِ مراد کی خوش خبری حاصل ہوتی ہے۔“

لیکن دنیا بھر کے مسلمان جہاں ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جشن مناتے اور اپنے ہادی و آقا کے حضور نذرانہ ہائے عقیدت کے دلکش پھول پیش کرتے ہیں وہیں کچھ لوگ اس تقریبِ سعید کو اچھا نہیں سمجھتے۔

عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین اس بابرکت اور نورانی تقریب پر دو قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ اُن کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جشن منانا بدعت ہے لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منکرین نہ تو بدعت کی تعریف جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اگر یہ بدعت ہے تو آیا یہ بدعتِ حسنہ کے زمرے میں آتی ہے یا بدعتِ سیئہ کے؟

لغوی معنی کے اعتبار سے ہر نئی بات کو بدعت کہا جاتا ہے۔ لیکن اصطلاحی طور پر ہر وہ عمل جس کی اصل دین میں نہ ہو اور وہ کسی سنت کے خاتمے کا باعث ہو بدعت ہے اور اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِ نَاهَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ (جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا نیا کام جاری کیا جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں وہ امر مردود ہے۔)

تو کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں کسی تقریب کا انعقاد کرنا، اس میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا، نعتِ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنا اور فضائلِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان کرنا دین کے خلاف ہے؟ اور کیا دین میں اس کی کوئی اصل نہیں؟

درحقیقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں محافل کا انعقاد دینِ اسلام کی سر بلندی، شوکتِ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کے فروغ و استحکام کا ایک بہت بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان کو طاقت اور جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بدعت کے بارے میں مخالفین کے ’حکیم الامت‘ مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ فتوایقینا قارئین کی دل چسپی کا باعث ہوگا وہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ”قاعدۂ کلیہ اس بات میں یہ ہے کہ کوئی امر کلیاً یا جزئاً دین میں نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دینِ علماً و عملاً بنالینا جو بوجہ مزاحمت احکامِ شریعہ کے بدعت ہے۔ دلیل اس کی خود حدیثِ صحیح ہے، مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِ نَاهَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔“

کلمہ ’فی‘ اور ’مِنْ‘ اس مدعا پر صاف صاف دلالت کر رہے ہیں اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی

اور بدعتِ حسنہ صوری بدعت ہے۔ حقیقتاً بوجہ کسی کلیہ میں داخل ہونے کے سنت ہے۔“  
یہی مولوی اشرف علی تھانوی صاحبِ محفلِ میلاد شریف کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں یوں لکھتے ہیں: ”ذکرِ ولادت شریف نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مثل دیگر اذکارِ خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے؟“

میلاد شریف کے بارے میں جو کچھ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے وہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ پاکیزہ اور مقدس محفل ہر قسم کی برائی اور بدعت سے خالی ہونی چاہیے۔ یہاں بدعت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بھی موصوف کا وہ قول پیشِ نظر رہے جو چند سطور پہلے مذکور ہوا کہ بدعت سے مراد بدعتِ سیئہ ہی ہے۔

منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چونکہ اہل عرب محافلِ میلاد کا انعقاد نہیں کرتے لہذا ہمیں بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہم شریعت کے پابند ہیں اہل عرب کے نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں محافلِ میلاد کا انعقاد نہایت اعلیٰ درجے کے اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں علمائے عرب کے اقوال کی روشنی میں اس بابرکت تقریب کے انعقاد کے سلسلے میں اہل عرب کے جذبہ ایمان سے آگاہی کے لیے درج ذیل سطور کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

شیخ محمد رضا سابق وزیر مکتبہ جامعہ فوادقاہرہ (مصر) لکھتے ہیں:

”امام ابو شامہ شیخ نووی فرماتے ہیں، ہمارے دور کی نئی مگر بہترین اختراع آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت کا جشن منانا ہے۔ جس میں اس مبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ و خیرات، محفلوں کی زیبائش اور آرائش اور اظہارِ مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک تقریبات فقرائے حسن سلوک کے علاوہ امتیوں کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت اور اہل محفل کے دل میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت و فضیلت کی پختگی اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنے والے کے قلبی شکر و امتنان کا احساس دلاتی ہیں۔“

امام سخاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”میلاد شریف (مروجہ) کا رواج رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تین صدی بعد ہوا کہ اس کے بعد سے تمام ممالک و امصار میں مسلمانانِ عالم عیدِ میلاد النبی مناتے چلے

آ رہے ہیں۔ سلاطین اسلام میں اس طریقہ کو رائج کرنے والے سب سے پہلے بادشاہ اربل سلطان مظفر ابوسعید تھے جن کی فرمائش پر حافظ ابن رجب نے اس موضوع پر ایک کتاب ”التنویر فی مولد البشیر النذیر“ لکھی تھی۔“

ڈاکٹر علی الجندی دور رسالت، خلفائے راشدین کے زمانے اور بنو امیہ کے دور میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اہتمام کے ساتھ نہ منانے کی وجوہات بھی بتاتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

”چوں کہ یہ تقریب خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات سے متعلق ہے اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) دیگر سلاطین کی طرح اپنی تشہیر نہیں چاہتے تھے بل کہ تواضع اختیار فرماتے اس لیے آپ نے اس انداز میں عید میلاد کو رواج نہیں دیا۔

خلفائے راشدین میں سے پہلے دو خلفا کا دور جہاد اور اسلامی حکومت کے قیام کا دور تھا۔ جب کہ تیسرے اور چوتھے خلیفہ کا دور حکومت فتنہ و فساد کا زمانہ تھا اس لیے اُن کی کامل توجہ ان امور کی طرف رہی، اور جشن میلاد کی طرف زیادہ توجہ نہ ہو سکی۔

بنو امیہ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ وسیع تھا نیز اس دور میں بغاوتوں کے قلع قمع کرنے کی طرف توجہ زیادہ تھی لہذا اس طرف کما حقہ توجہ نہ دی جاسکی۔“

ڈاکٹر علی الجندی مختلف سلاطین کے دور میں ہونے والی ان مبارک تقریبات میلاد کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ: ”یہ تقریب سرکاری سطح پر نہایت دھوم دھام اور جوش و ولولے کے ساتھ منائی جاتی تھی۔“

اس مختصر مقالے میں اُن تمام تفصیل کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں البتہ اجمالاً اُن ادوار کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ سلاطین مصر اور دیگر حکمران اپنے اپنے دور میں حکومتی سطح پر یہ تقریب مناتے تھے۔

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ: ”امام سیوطی کے بقول سب سے پہلے جشن میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاہ اربل ابوسعید بن زین الدین علی بن بکتکین نے منایا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس تقریب سعید کا آغاز فاطمی دور سے ہو چکا تھا۔

فاطمی حکومت کے بعد ایوبیہ دور حکومت آیا تو سرکاری سطح پر تمام تقریبات کا اہتمام ختم کر دیا گیا لہذا یہ تقریب چھوڑ دی گئی لیکن مصری عوام نے اسے اپنے طور پر جاری رکھا۔ کیوں کہ یہ بات

ناممکن ہے کہ مصری دین دار حضرات اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں محافل میلاد کا انعقاد نہ کرتے۔ ایوبیہ حکومت کی عدم توجہ کے باوجود موصول کے حکمرانوں میں سے ایک اربل کے حکمراں مظفر الدین نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جشن کا اہتمام کیا اور نہایت اچھے طریقے سے اسے منایا۔

مغرب بعید میں سلطان شیخ ابوالعباس احمد المصو را الغر فی جو صاحب سببہ کہلاتے تھے جنہوں نے دسویں صدی ہجری کے آخر میں زمام حکومت سنبھالی۔ انہوں نے اس بہترین عمل کو رواج دیا اور حکومت کی سرپرستی میں جوش و کروش سے جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا۔

آل زیان کے حکمراں نہایت عمدہ طریقے پر اس محفل کا اہتمام کرتے تھے۔ بالخصوص ان میں سے ایک حکمراں ابوحموی بن یوسف زبانی نے تو اس سلسلے میں تمام حکمرانوں سے سبقت حاصل کر لی۔ یہ بادشاہ ۱۲ ربیع الاول کی رات کو ایک عظیم الشان عمومی اجتماع منعقد کرتا تھا۔ دعوت عام ہوتی اور اس میں امیر و غریب، غنی و فقیر، شاہ و گدا سب جمع ہوتے تھے۔ ۸۷۲ھ میں سلطان الاشرف قانتابی نے جب مصری حکومت کی زمام اقتدار سنبھالی تو اس نے یہ میدان جیت لیا کیوں کہ اس دور میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جشن پچھلے دور کے تمام حکمرانوں کے انتظامات سے فوقیت اور برتری حاصل کر گیا۔“

الظاہر برقو ق کے دور حکومت (۸۴۷ھ) میں بھی اس تقریب سعید کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور سلطان نے اس اہتمام کو حد کمال تک پہنچایا۔ سلطان چتقمق (۸۴۲ھ) کے دور میں بھی جشن میلاد کا اہتمام بڑی خوش اسلوبی اور دل جمعی سے ہوتا تھا۔ علی پاشا مبارک کہتے ہیں:

”سلطان الظاہر ابوسعید کے دور میں مجلس میلاد کا اہتمام، برقو ق کے دور سے بڑھ گیا تھا بالخصوص صدقات و خیرات میں اضافہ ہوا۔“

۹۰۷ھ میں ملک اشرف ابونصر قاضی نے بھی اس بات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ یہ تھی وہ اجمالی رپورٹ جو مختلف سلاطین مصر اور دیگر حکمرانوں کے ادوار میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں منائی جانے والی محفل میلاد سے متعلق تھی۔

آئیے! ایک ہلکا سا جائزہ اس طریق کار کا بھی لیتے ہیں جو سلطان تلمسان کے دور میں اپنایا گیا۔ جس سے باقی تمام حکمرانوں کے بارے میں بھی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ اس عظیم المرتبت اور مقدس و



مبارک جشن کو کس عقیدت و عظمت اور محبت و الفت سے مناتے تھے۔

محمد رضا مصری لکھتے ہیں: ”سلطان تلمسان کے کارندے معززین کے مشوروں سے شبِ میلاد النبی میں ایک عام دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ جس میں بلا استثنا ہر خاص و عام کو شرکت کی اجازت ہوتی تھی۔ اس محفل میں اعلیٰ قسم کے قالینوں کے فرش اور منقش پھول دار چادریں بچھائی جاتیں۔ سنہرے کارچوبی غلافوں والے گاونچے لگائے جاتے۔ ستونوں کے برابر بڑے شمع دان روشن کیے جاتے۔ بڑے بڑے دسترخوان بچھائے جاتے۔ بڑے بڑے گول اور خوش نما نصب شدہ بخور دانوں میں بخور سلاگایا جاتا تھا جو دیکھنے والوں کو پگھلا ہوا سونا معلوم ہوتا تھا۔ پھر تمام حاضرین کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ موسمِ بہار میں رنگارنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے کھانے جن کی طرف دل کو رغبت ہو اور جنہیں دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں ان محفلوں میں اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں بسائی جاتی تھیں جن کی مہک سے فضا معطر ہو جاتی تھی۔ مہمانوں کو حسبِ مراتب ترتیب وار بٹھایا جاتا تھا۔ یہ ترتیب جشن کی مناسبت سے دی جاتی تھیں، حاضرین پر عظمتِ نبوت کا جلال و وقار چھایا رہتا تھا۔ انعقادِ محفل کے بعد سامعین سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب و فضائل اور ایسے پاکیزہ خیالات و نصائح سنتے تھے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف راغب ہو جاتے۔ خطبہ اسلوبِ بیان کے مد و جزر اور خطابت کے تنوع سے سامعین کے قلوب کو گرماتے اور سامعین کو لذت اندوز کرتے تھے۔“

کتاب ”محمد رسول اللہ“ کے مؤلف شیخ محمد رضا مصری مزید فرماتے ہیں:

”ہمارے زمانہ میں بھی مسلمانانِ عالم اپنے اپنے شہروں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ مصر کے علاقوں میں یہ محفلیں مسلسل منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں برابر میلادِ نبوی سے متعلق بیانات ہوتے ہیں۔ فقرا و مساکین کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص قاہرہ میں اس روز ظہر کے بعد ایک پیادہ جلوس کمشنر آفس کے سامنے سے گذرتا ہوا عباسیہ میدان کی طرف روانہ ہوتا ہے ان راستوں میں ہجوم بڑھتا جاتا ہے۔ جلوس کے آگے پولیس کے سوار دستے اور دونوں طرف فوج کے کچھ افسر ہوتے ہیں۔ مصر میں یہ مبارک دن حکومت کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ چنانچہ عباسیہ میں وزیر اور حکام کے لیے

شامیانے نصب کیے جاتے ہیں اور خود شاہ وقت یا ان کے نائب جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ کے پہنچنے پر فوج سلامی دیتی ہے۔ پھر وہ شامیانے میں داخل ہوتے ہیں اس کے بعد صوفیہ اور مشائخ طریقت اپنے اپنے جھنڈے لیے وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا خود بادشاہ استقبال کرتے ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ خود شیخ المشائخ کے شامیانے میں حاضر ہو کر ذکر میلاد النبی سماعت فرماتے ہیں۔ ختم محفل پر شاہ میلاد بیان کرنے والوں کو شاہانہ خلعت عطا کرتے ہیں۔ پھر حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد توپوں کی گونج میں شاہانہ سواری واپس ہوتی ہے۔ اس دن تمام دفاتر میں عام تعطیل ہوتی ہے۔“

اخوان المسلمین کے بانی حسن البنا نے اپنی ڈائری میں جشن میلاد النبی اور جلوس میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ایک ایسا واقعہ قلم بند کیا ہے جو دل کو گرمانے اور روح کو تڑپانے میں بڑا مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

”مجھے یاد ہے کہ جب ربیع الاول کا مہینا آتا تو یکم ربیع الاول سے لے کر ۱۲ ربیع الاول تک معمولاً ہر رات ہم حصافی اخوان میں سے کسی ایک کے مکان پر محفل ذکر منعقد کرتے اور میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جلوس بنا کر باہر نکلتے، اتفاق سے ایک رات برادر شیخ شبلی الرجال کے مکان پر جمع ہونے کی باری آگئی۔ ہم عادتاً عشاء بعد ان کے مکان پر حاضر ہوئے دیکھا کہ پورا مکان خوب روشنیوں سے جگمگا رہا ہے، اسے خوب صاف و شفاف اور آراستہ و پیراستہ کیا جا چکا ہے۔ شیخ شبلی الرجال نے رواج کے مطابق تمام حاضرین کو شربت اور قہوہ اور خوشبو پیش کی۔ اس کے بعد ہم جلوس بن کر نکلے اور بڑی مسرت و انبساط کے ساتھ مروجہ مناقب اور نظمیں گاتے رہے۔ جلوس ختم کرنے کے بعد ہم شیخ شبلی الرجال کے مکان پر واپس آگئے اور چند لحظات ان کے پاس بیٹھے رہے۔ جب اٹھنے لگے تو شیخ شبلی نے بڑے لطافت آمیز اور ہلکے پھلکے تبسم کے ساتھ اچانک یہ اعلان کیا کہ: ’ان شاء اللہ کل آپ حضرات میرے ہاں علی الصبح تشریف لے آئیں تاکہ روحیہ کی تدفین کر لی جائے۔‘

روحیہ شیخ شبلی کی اکلوتی بیٹی ہے، شادی کے تقریباً ۱۱ سال بعد اللہ نے شیخ کو عطا کی ہے۔ اس بیٹی کے ساتھ انھیں اس قدر شدید محبت و وابستگی ہے کہ دورانِ کام بھی اُسے جدا نہیں کرتے یہ بیٹی نشوونما پا کر اب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکی ہے شیخ نے اس کا نام روحیہ تجویز کر رکھا ہے۔ کیوں کہ شیخ کے دل میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔ شیخ کی اس اطلاع پر ہم بھونچے رہے

گئے۔ عرض کیا: ’روحیہ کا انتقال کب ہوا؟‘۔ فرمانے لگے: ’آج ہی مغرب سے تھوڑی دیر پہلے‘۔ ہم نے کہا: آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ اطلاع دی؟ کم از کم میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جلوس کسی اور دوست کے گھر سے نکالتے؟‘۔ کہنے لگے: ’جو کچھ ہوا بہتر ہوا اس سے ہمارے حزن و غم میں تخفیف ہوگئی اور سوگ مسرت میں تبدیل ہو گیا۔ کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کوئی اور نعمت درکار ہے؟‘

حسن البیاء کی ڈائری کا یہ ورق عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جشن اور جلوس کے بارے میں اُن کے زمانے کا اشاریہ ہے۔ اُن کے دور میں ۱۲ ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک ہر دن جلوس نکلتا تھا اور ذکر ولادت کی بابرکت محفلیں تزک و احتشام سے آراستہ ہوتی تھیں، درج بالا واقعہ تو ایک ایسے مثالی کردار کو پیش کرتا ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ جشن میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تین حضرات شیخ شبلی الرجال جیسا مخلصانہ رویہ اور ایثار و قربانی کا حسین جذبہ اب کہاں؟ اب تو اس بابرکت جشن کا ہی انکار کیا جا رہا ہے، افسوس!!

شیخ الدلائل عبدالحق محدث الہ آبادی مہاجر کی نے ”الدار المنظم فی حکم عمل مولد النبی الاعظم“ میں جو میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایک جامع کتاب ہے، مکہ مکرمہ کے مفتیان کرام (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ اگرچہ ان فتاویٰ میں بنیادی طور پر میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کے بارے میں اظہارِ خیال کیا گیا۔ لیکن ہر فتوٰ میں محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے علماء محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قائل ہیں۔ یہاں ان تمام فتاویٰ کو نقل کرنا ممکن نہیں البتہ صرف ایک فتوٰ نقل کرنے کے بعد ان مفتیان کرام کے اسمائے گرامی ذکر کیے جائیں گے۔

حضرت شیخ عبد اللہ سراج حنفی مفتی مکہ مکرمہ فرماتے ہیں: ”میلاد شریف پڑھتے وقت جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر آئے تو اس وقت کھڑا ہونا بڑے بڑے ائمہ سے ثابت ہے۔ ائمہ اسلام اور حکام نے کسی انکار اور رد کے بغیر اسے برقرار رکھا۔ لہذا یہ مستحسن کام ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر تعظیم کا کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کافی ہے۔ فرماتے ہیں: جس چیز کو مسلمان اچھا جائیں وہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے۔“

جن دیگر مفتیانِ عظام نے اس کے مطابق فتوایا اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

☆ علامہ الشیخ جمال مفتی احناف مکہ مکرمہ ☆ الشیخ عبدالرحمان سراج مفتی احناف

☆ شیخ ابوبکر بسیونی مفتی مالکیہ ☆ شیخ محمد بن عبداللہ مفتی حنابلہ

☆ محمد یحییٰ بن یحییٰ مفتی حنابلہ ☆ شیخ محمد عمر مفتی شافعیہ

☆ شیخ حسین مفتی مالکیہ ☆ شیخ مولانا محمد عثمان دمیاطی رحمۃ اللہ علیہم۔

حنبلہ فقہ کے مفتی مکہ محمد عبداللہ بن عبداللہ بن حمید لکھتے ہیں:

”میلاد النبی، سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حصہ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل یا کچھ حصہ بیان کرنا مستحب ہے اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکرِ ولادت کے وقت کھڑا ہونا تعظیم کا تقاضا ہے اور شریعت کے منافی نہیں ہے۔“

مکہ مکرمہ سے تعلق رکھنے والے ماضی قریب کے عظیم محقق اور عالمِ دین علامہ محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے عقائد پر ”مفہامیم یجب ان تصحیح“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسے علامہ یس اختر مصباحی مدظلہ نے اردو کا قالب پہنایا ہے جو رضوی کتاب گھر دہلی سے ”اصلاح فکر و اعتقاد“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے (اسی کتاب کا ایک باب ہے ”مفہوم المولد النبوی“ جس میں آپ فرماتے ہیں:

”بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ فاسد تصورات پائے جاتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق ہم سال بھر میں صرف ایک مخصوص رات میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محافل منعقد کرتے ہیں۔ اس غافل شخص کو معلوم نہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں سال بھر ایسے اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ حرمین شریفین میں جب بھی کوئی خوشی کا موقع آتا ہے، محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم صرف ایک رات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اور تین سو اسیٹھ راتوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ ہم پر افترا پردازی کر رہا ہے اور واضح جھوٹ بولتا ہے۔ یہ مجالس میلاد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دن رات منعقد ہوتی ہیں اور یہ اجتماعات دعوت الی اللہ کا سب سے بڑا وسیلہ ہیں، مبلغین اور علما کا فرض ہے کہ وہ ان اجتماعات کے ذریعہ امت مسلمہ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و آداب، احوال و

سیرت اور معاملات و عبادات سے آگاہ کرتے رہیں انھیں نصیحت کریں اور خیر و فلاح کی طرف بلائیں۔“

علامہ علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بہ خوبی واضح ہو گیا ہے کہ حرمین شریفین میں نہ صرف ربیع الاول شریف بل کہ سال بھر میں بالخصوص ہر خوشی کے موقع پر محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منعقد کی جاتی ہے۔ یہاں ان علما کی فہرست پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جنہوں نے علامہ سید محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب پر تقریظ لکھی ہے۔ چوں کہ یہ علما مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں ان کا اس کتاب کی تائید و توثیق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس کتاب کے مندرجات صحیح ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس کتاب کی تقریظ لکھنے والوں میں پاکستان کے جید علمائے دیوبند بھی شامل ہیں، جنہوں نے ”مفہیم یجب ان تصحیح“ کی ٹھوس الفاظ میں تصدیق کی ہے گویا وہ بھی عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محفلوں کو شریعت کے منافی تصور نہیں کرتے۔ مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ علما کے نام ذیل میں ملاحظہ کریں :

☆ فضیلۃ الشیخ حسنین مخلوف (مفتی دیا مصر، رکن جماعت کبار العلماء جامعہ ازہر شریف مصر)  
☆ فضیلۃ الشیخ الدکتور الحسینی ہاشم (وکیل ازہر شریف، مصر و معتمد عام مجمع الجوٹ الاسلامی، قاہرہ)  
☆ علامۃ المغرب محدث سید عبداللہ کنون حسنی (رئیس رابطہ علمائے مغربی و رکن رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

☆ علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی (سابق وزیر اوقاف و مذہبی امور، کویت)  
☆ علامہ مدرج فقیہ شیخ محمد خزرجی (وزیر اوقاف و مذہبی امور متحدہ عرب امارات)  
☆ علامہ محدث محقق شیخ محمد شاذلی نفیر (پرنسپل کلیہ الشریعہ تونس و رکن رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)  
☆ علامہ فقیہ اصولی شیخ محمد سالم عدود (رئیس عدالت عالیہ موریطانیہ و رکن مجلس فقہی رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

☆ فضیلۃ الشیخ ابراہیم الدسوقی مرعی (سابق وزیر اوقاف، مصر)  
☆ الاستاذ الدکتور حسن الفاتح قریب اللہ (رئیس الجامعۃ الاسلامیہ، سوڈان)  
☆ فضیلۃ الشیخ السید عبدالسلام جبران (رئیس المجلس العلمی الاقلمی، مراکش)

☆ شیخ یوسف احمد صدیقی القاضی (وکیل عدالت عالیہ شرعیہ بحرین و رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ)

☆ سید احمد بن محمد زیارۃ (مفتی جمہوریہ یمن)

علاوہ ازیں ذیل میں اُن علمائے دیوبند کے نام بھی ملاحظہ کریں جنہوں نے علامہ علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

☆ مولانا شیخ محمد عزیز الرحمن حقانی ہزاروی (خطیب و امام مسجد صدیق اکبر، راولپنڈی)

☆ مولانا محمد عبدالقادر آزاد (خطیب و امام شاہی مسجد، لاہور)

☆ مولانا محمد عبدالواحد (خطیب و امام جامع مسجد، سیالکوٹ)

☆ مولانا محمد عبدالملک کاندھلوی (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور)

☆ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (ناظم اعلیٰ و ناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ، کراچی)

مذکورہ بالا فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، مصر، بحرین، موریتانیہ، متحدہ عرب امارات، تیونس، مراکش، یمن، سوڈان وغیرہ عرب ممالک کے جید علماء میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں محافل کے انعقاد کو مستحسن جانتے ہیں۔ نیز علامہ علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تائید و توثیق کرنے والی کتاب پر تصدیق کرنے والے علمائے دیوبند بھی میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علمائے عرب کے شانہ بہ شانہ نظر آتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے ہندوستان کے بعض اُن علماء پر جو میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بدعت کے زمرے میں شامل کرنے پر تئلے ہوئے ہیں۔

کلیہ الشریعہ دمشق کے پرنسپل ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوط منکرین میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سختی سے رد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے مضمون کا عنوان ہے ”اُن لوگوں کا رد جو میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں، ہر دنیا کام بدعت نہیں۔“ آپ لکھتے ہیں :

”ہاں! میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ سننے کے لیے لوگوں کا جمع ہونا ایک ایسا کام ہے جو دو درجہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا ہوا بلکہ چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ظاہر ہوا لیکن کیا صرف یہی بات اس کو بدعت کہنے کے لیے کافی ہے اور اس کی بنیاد پر اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق قرار دیا جائے کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی

بات جاری کی جو دین سے نہیں وہ مردود ہے؟ اس طرح تو اُن لوگوں کو اپنی زندگی سے ہر وہ بات خارج کر دینی چاہیے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی، اگر وہ ایسا کر سکتے ہیں تو کر لیں کیوں کہ یہ سب کچھ بدعت ہے۔“

شیخ احمد عبدالعزیز المبارک چیف جسٹس عدالتِ شرعیہ متحدہ عرب امارات لکھتے ہیں:

”حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر جمع ہونے کے بارے میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ ان اجتماعات کے موقع پر مساجد میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، واقعاتِ غزوات بیان کیے جاتے ہیں اور اکثر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں تو یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے اجتماعات کو جن میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر خوشی و مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز ان کی مبارک زندگی اور غزوات کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کے لیے ان کو بیان کیا جاتا ہے اور آپ کی سیرت و اخلاق سے لوگوں کو رغبت دلانے کے لیے اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے ان کا انعقاد عمل میں آتا ہے، ایک مباح عمل قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض کو یہ مرغوب نہ ہو کیوں کہ اس تقریب نے لوگوں کا کردار بنانے اور جذبات (محبتِ رسول ﷺ) ابھارنے میں بڑا تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ یہ تقریب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں نہ منائی گئی تاہم اس کو ناپسندیدہ بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ بدعت یا توقابلِ مذمت ہے یا مستحسن و جائز۔“

اس مختصر سے مقالے میں درج کیے گئے حقائق سے کم از کم اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ جشنِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف ہندوستان کے بریلوی حضرات ہی نہیں مناتے بل کہ پوری دنیا میں بسنے والے مسلمان عموماً اور اہل عرب خصوصاً مناتے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا بھر کے جید علماء و مفتیانِ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس چاہے رسولِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں نہ منعقد ہوئی ہوں لیکن ان تقریباتِ سعادت نشان کے انعقاد کو کسی طور بدعتِ سیئہ یعنی گمراہی والی بدعت قرار دینا اسلامی اصولوں کے سراسر منافی ہے۔

اگر اللہ جل شانہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے اتنا ہی بس ہے ورنہ ضخیم کتب بھی ناکافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محافلِ میلاد منانے اور اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاؤ الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(حاصل مطالعہ کتب: محمد رسول اللہ: شیخ محمد رضا مصری/حسن البنا شہید کی ڈائری: خلیل حامدی/اصلاح فکر و اعتقاد، حول الاختفال بالمولد النبی الشریف: علامہ سید محمد علوی مالکی/جانِ جانان: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجیدی)

تحریر: مولانا محمد صدیق ہزاروی (لاہور)

ترتیب و تلخیص: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں)





## امین آپ امانت کی آبرو بھی آپ

صبح آپ، صباحت کی آبرو بھی آپ  
 ملیح آپ، ملاحت کی آبرو بھی آپ  
 ہوا، نہ ہے، نہ کبھی ہوگا آپ سا کوئی  
 وجیہ آپ، وجاہت کی آبرو بھی آپ  
 سعادتوں نے سعادت ہے آپ سے پائی  
 سعید آپ، سعادت کی آبرو بھی آپ  
 سراپا آپ کا معمور نکلتوں سے ہے  
 نفیس آپ، نفاست کی آبرو بھی آپ  
 زبان گنگ فصیحان کائنات کی ہے  
 فصیح آپ، فصاحت کی آبرو بھی آپ  
 بلاغتوں میں جو یکتا تھے بن گئے گو نگے  
 بلیغ آپ، بلاغت کی آبرو بھی آپ  
 جو قتل کرنے کے درپے تھے وہ بھی کہتے تھے  
 امین آپ، امانت کی آبرو بھی آپ  
 تقسیم نعمت رب آپ ہیں سرے آفتا  
 کفیل آپ، کفالت کی آبرو بھی آپ  
 ہزار جرم و خطا ہیں، ہیں آپ کے لیکن  
 شفیع آپ، شفاعت کی آبرو بھی آپ  
 بروزِ حشر مشاہد کے، پیشِ ربِّ جلیل  
 وکیل آپ، وکالت کی آبرو بھی آپ

عرض نمودہ: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

☆☆☆☆☆☆